26/2

سیرت سازی اور اخلاقی اصلاح

کے بغیر کوئی منصوبہ کامیاب نہیں

ہمارا یقین ہے کہ جب تک طبیعتوں میں حرص و ہوس کی آگ سلگ رہی ہے دولت کا بھوت سوار ہے۔ انسان صرف روپیہ پیدا کرنے اور اس سے عیش کرنے ہی کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہے۔ اس وقت تک کوئی نقشہ اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جن ملکوں میں یہ منصوبے پورے طور پر کامیاب ہو چکے ہیں اور وہ ملک عرصہ ہوا ان منزلوں کو طے کر چکے ہیں کیا ان کو حقیقی امن و اطمینان حاصل ہے؟ کیا وہاں جرائم نہیں ہوتے؟ جرائم ہیں تو وہ ہمارے ملک سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں۔ وہاں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں، بڑے بڑے دولت مندوں اور کارخانہ داروں کو راستہ چلتے اڑا لیا جاتا ہے اور پھر ان کے عزیزوں کو ڈرا دھمکا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ آج ان ملکوں کا اخلاقی زوال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ان کو اپنی ہستی قائم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے۔ ایک قوم پرستی اور وطنیت کا شور ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے پھر بھی ان کا زوال کچھ دور نہیں اور اقبال کا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں ؎

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے گرتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

(تعمیر انسانیت صـ ۱۳۵) (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

محمد سعید الرحمٰن علوی

یسر و سہولت اور انتقام

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قَالَتْ مَا خُيِّرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم بَيْنَ اَمْرَيْنِ قَطُّ اِلَّا اَخَذَ اَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ اِثْمًا فَاِنْ كَانَ اِثْمًا كَانَ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنْهُ وَمَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْ يُّنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ لِلّٰهِ بِهَا۔ (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہ وسلم کے سامنے دو کام آتے تو ان میں سے آپؐ آسان کام کو اختیار فرماتے جب تک کہ وہ آسان کام گناہ کا موجب نہ ہوتا اور اگر گناہ ہوتا تو آپؐ لوگوں میں ایسے کام سے سب سے زیادہ دور رہنے والے ہوتے۔ اور آپؐ نے کسی معاملہ میں کبھی اپنے نفس کے لیے (کسی سے) بدلہ نہیں لیا۔ مگر اس صورت میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیزوں کی بے حرمتی کی جاتی تو آپؐ اللہ کے لیے انتقام لیا کرتے تھے۔ (یعنی سزا دیتے تھے)

حدیث پاک میں دو چیزیں بیان فرمائی گئیں ہیں ایک تو یہ کہ دو کام سامنے آنے پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آسان پہلو کو اختیار فرماتے لیکن ایسا نہیں کہ وہ پہلو موجب گناہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا تو ممکن نہیں کہ اللہ کا نبی گناہ کا کام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو وحی کی گراں بار ذمہ داریوں کے لیے منتخب فرماتے ہیں ان کا باطن اتنا اجلا اور صاف ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ سے جڑے رہتے ہیں حتیٰ کہ سوتے ہوئے بھی غافل نہیں ہوتے۔ اور جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سونے کے دوران انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتے۔

اور یوں بھی ان کا اخلاق و کردار ایسا ہی بلند ہونا چاہیئے کہ کوئی دشمن خدا و دین ان پر حرف گیری نہ کر سکے۔ یہ نبی کی ذات ہوتی ہے جو علی رؤس الاشہاد لوگوں سے کہتا ہے کہ بتاؤ میں کیسا ہوں؟ اس قسم کی گرامی مرتبت اور سراپا خیر و برکت ہستی گناہ تو کیا کرے گی گناہ کا تصور بھی نہیں کر سکتی یہی عصمت انبیاء کا معنی ہے اور جو لوگ انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے جواز کے لیے گناہ کا صدور لازمی قرار دیتے ہیں وہ خوف خدا سے نابلد اور اپنے دین و ایمان کے دشمن ہیں۔ انبیاء کی بشریت کے لیے اور ان گنت دلائل موجود ہیں گناہ ضروری نہیں بلکہ ان گناہوں کا پاک ہونا ضروری ہے۔ ہاں آسانی اور سہولت الگ بات ہے اور وہ اس لیے کہ اللہ کے نبی کی زندگی لوگوں کے لیے نمونہ ہوتی ہے اور خاص طور پر آنحضرت ختمی مرتبت کی زندگی تو صبح قیامت تک کی انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ ہے جیسا کہ

(باقی ۲۳ پر)

جلد ۲۶ ٭ شمارہ ۲

۲۷ر شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ ٭ ۱۱ر جولائی ۱۹۸۰ء

اس شمارہ میں

رئیس الادارہ

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مدیر منتظم : میاں محمد اجمل قادری

مدیر : محمد سعید الرحمٰن علوی

بدل	سالانہ ۶۰/- روپے ٭ ششماہی -/۳۰ روپے
اشتراک	سہ ماہی -/۱۵ روپے ٭ فی پرچہ ۱/۵۰ روپیہ

زکوٰۃ و عشر آرڈیننس

صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے گذشتہ جمعہ کو اسلام آباد کی مرکزی مسجد سے زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کا اعلان کیا اور اسی شام ڈائریکٹر جنرل زکوٰۃ جناب امتیازی صاحب نے ایک طویل تقریر کے ذریعہ اس سلسلے کی تفصیلات بیان کیں۔

اس آرڈیننس پر ملک کے مختلف طبقات کا ردِ عمل مختلف ہے شیعہ حضرات بہ حیثیت جماعت اس کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور ان کا مجوزہ کنونشن اسلام آباد بھی اسی مخالفت کا احتجاجی ردِ عمل ہے جس کے نتائج ان سطور کے سامنے آنے تک ظاہر ہو چکے ہوں گے۔ یہ اندازِ فکر رکھنے والے بعض مقررین کی تابڑ توڑ تقریروں کا ہمیں ذاتی طور پر علم ہے جو اس کو ایک مسلک کے نام لیواؤں پر جارحیت قرار دے رہے ہیں اور اس کا رشتہ جانشینِ رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اس جہاد سے ملا رہے ہیں جو مانعین زکوٰۃ کے خلاف ہوا تھا۔ یہ اندازِ فکر کیا رنگ لائیگا اس کے متعلق کچھ نہ کہنا ہی زیادہ بہتر ہے تاہم محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سچے غلاموں اور حضور ختمی مرتبت علیہ السلام کے براہِ راست فیض یافتہ حضرات کو معیارِ حق و صداقت ماننے والوں کے لیے یہ باتیں ایک سوالیہ نشان ضرور ہیں کہ وہ اپنے وجود کے تحفظ و بقاء کے لیے کیا سوچتے اور کیا کرتے ہیں۔

اہلِ سنت میں سے ملک کے مقتدر عالمِ دین مولانا مفتی محمود نے ایک پریس کانفرنس میں جو اخبارات میں چھپ چکی ہے اور پھر جامع مسجد شیرانوالہ لاہور میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے نفسِ آرڈیننس کی حمایت کے باوجود فقہی طور پر اس میں جو نقص اور خامیاں ہیں ان کے ازالہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ہماری رائے

میں حکومت پر لازم ہے کہ وہ ملک کے مقتدر اہلِ علم سے رابطہ کر کے اس آرڈیننس کے بنیادی نقائص کے فوری ازالہ کی فکر کرے۔ وزیرِ خزانہ نے اپنی بجٹ تقریر میں اس ضمن میں اشارہ بھی کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اس سمت بہت جلد مثبت قدم اٹھایا جائیگا۔

ہمارا ملک بڑے نازک دور سے گذر رہا ہے۔ اس موقعہ پر کسی فرد یا جماعت کو کسی بھی معاملہ میں اپنی ناک کا کوئی مسئلہ نہیں بنانا چاہیے ہم سب کی منزل اسلام ہے اور اس کے لیے ہم سب کو کمال خلوص و دیانت سے محنت کر کے عملی اقدام کی فکر کرنی چاہیے۔

اسلاف کی درخشندہ روایات کی طرح اہل نظر اور صائب الرائے علماء کرام عملاً شریک اقتدار نہ ہو کر حکمرانوں کو ان کی غلطیوں پر ٹوکیں اور حکمران اپنی غلطیوں کا احساس کر کے ان کے ازالہ کی فکر کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ صورت حال بہت بہتر ہو جائے گی اور ہمارا ملک واقعی معنوں میں شئی سٹیٹ بن سکے گا۔ اور ہم صبح قیامت میں اللہ کے حضور سرخرو ہو سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کے لیے زندہ رکھیں اور اسی راہ میں موت نصیب فرمائے۔

علوی

حادثات

پچھلے دنوں آزاد کشمیر کی ایک "خانقاہ" سے "عرس" سے واپس آنے والے مرد و زن کی بس کا جو حادثہ پیش آیا وہ اپنی شدت کے اعتبار سے اتنا سخت تھا کہ باید و شاید؟ ایک سو سے زیادہ مرد عورتیں اور بچے اس حادثہ کی نذر ہو گئے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

حادثہ کی نذر ہونے والوں کی روحوں کی تسکین کے ساتھ پسماندگان کے لیے ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں حادثہ کے برداشت کرنے کی توفیق دے۔

حادثہ کی تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے اور یہ معمول کی بات ہے ایسا ہوتا ہی رہتا ہے۔ اصل سوال یہ ہے کہ اس طرح روزمرہ حادثات ہوتے کیوں ہیں؟ کہنے کو تو کہا جا سکتا ہے کہ ہر کسی کی موت کا وقت مقرر ہے اور جس طرح جس کی لکھی ہے اسی طرح آتی ہے۔ یہ سب تسلیم کرنے کے باوجود ہم اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کی بنیاد پر یہ بات کہنا چاہیں گے کہ بسوں اور ویگنوں کے مالکان اور عملہ جو انداز اختیار کرتا ہے وہ کسی طرح بھی شرفِ انسانیت کے مناسب نہیں۔ بھیڑ بکریوں کی طرح سواریوں کو ٹھونسنا، بدتمیزی کا مظاہرہ کرنا، تیز رفتاری اور بے ہنگم ریکارڈنگ جیسے اسباب کسی طرح قابلِ معافی نہیں۔ ان شرفاء ملت کو نماز کے لیے کہیں یا بچوں یا کسی مریض اور بوڑھے کی قضاء حاجت کے لیے کہیں تو ذرہ برابر پرواہ نہیں ہوگی اور اپنی مرضی سے چاہیں گے تو کسی بھی جگہ کھڑے ہو کر مسافروں کو پریشان کریں گے۔ اس مخلوق کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ وقت اشد ضرورت ہے ورنہ یہ زیادتیاں اسی طرح بپا ہوتی رہیں گی۔ حکومت کی توجہ کے لیے یہ سطور پیشِ خدمت ہیں۔

انعام

مجلس نشریات اسلام ناظم آباد کراچی کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو طلبہ وفاق المدارس العربیہ کے امتحان حدیث میں درجہ اول، دوم اور سوم میں کامیاب ہوں گے ان کی خدمت میں ناظم مجلس مولانا فضل ربی صاحب ندوی کی طرف سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی کتابوں کا سیٹ پیش کیا جائے گا جو مجلس کی جانب سے شائع ہوا ہے۔

(منیجر مجلس نشریات اسلام کراچی)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : علوی

استقبالِ رمضان

شیخِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم حضرات! رمضان المبارک کی مقدس و مسعود گھڑیاں بس آیا ہی چاہتی ہیں۔ ہجری سال کا یہ نواں مہینہ جو رمضان کے نام سے معروف ہے اس کی خصوصیات اور خوبیاں ایک حقیقت ہیں۔ نبی علیہ السلام نے اسے شھر اللہ یعنی اللہ کا مہینہ قرار دیا۔ سب مہینے اللہ کے ہی ہیں وہی سب کا پیدا کرنے والا ہے۔ لیکن اس مہینہ کی عظیم تر خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ بات کہی گئی کہ یہ اللہ کا مہینہ ہے۔ روزہ جیسی عظیم عبادت اس مہینہ سے متعلق ہے۔ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ان میں سے ایک روزہ ہے اس کی فرضیت کا قرآن عزیز میں واضح حکم ہے۔

دوسری اس مہینہ کی خصوصیت اور بڑی عظیم خصوصیت قرآن حکیم کا اس میں نزول ہے۔ جیسا کہ خود قرآن نے کہا۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ

اس مہینہ کے متعلق حضور نبی مکرم علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے آخری عشرہ میں ایک رات ہے جو ایک ہزار مہینوں سے بہتر و افضل ہے۔ اس کا ذکر مستقلاً قرآن کی ایک صورت میں موجود ہے جو سورۂ قدر کے نام سے معروف و مشہور ہے۔ نبی اکرم علیہ السلام نے فرمایا رمضان شروع ہوتا ہے تو جنت و رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے سرکش شیاطین قید کر دئے جاتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ سارا سال جنت کو آراستہ کیا جاتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب رمضان شروع ہو جاتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔

ایک حدیث کے مطابق فرمایا گیا کہ روزہ ڈھال ہے۔ اور ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ خالص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

بعض شراح حدیث نے فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ روزہ دار کی میں خود جزا ہوں۔ ایک ارشاد ہے کہ جنت کا ایک دروازہ ہے جس کا نام ریّان ہے اس میں محض روزہ دار داخل ہوں گے۔ علیٰ ہذا القیاس۔

احادیث میں اتنا مواد ہے جس کا احاطہ مشکل ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ عبادت و بندگی کا سیزن ہے جس کی ہر رات شب برات و شب قدر کی طرح ہے تو ہر دن عید کا دن ہوتا ہے روزہ دار کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ وہ دن بھر روزے کی تلخی کمال صبر و استقامت سے برداشت کرتا ہے تو افطاری کے وقت اس کی ہر دعا قبول ہوتی ہے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا

نوافل کی ادائیگی اس مہینہ میں
فرائض کے برابر ثواب کی سعادت
سے ہمکنار کرتی ہے۔ تو فرائض کا
سلسلہ ستّر گنا تک بڑھ جاتا
ہے۔ ان فضائل کے ساتھ آپ
نے یہ بھی فرمایا کہ خبردار بعض
روزہ دار ایسے ہوتے ہیں کہ
بھوک و پیاس کے سوا کوئی چیز
انہیں نصیب نہیں ہوتی اور بعض
شب بیدار تراویح پڑھنے والے
ایسے ہوتے ہیں کہ رات آنکھوں
میں کاٹ گئی باقی پلے کچھ نہ
پڑا۔ اور محروم کے محروم رہے۔
یہ وعید ان لوگوں کے لیے ہے
جو روزہ و تراویح کے ظاہری
ڈھانچہ کا اہتمام کرتے ہیں، اس
کی روح سے غافل رہتے ہیں۔
صبح سنت سمجھ کر سحری کھائی۔
فجر کی نماز نہ پڑھی سو گئے سارا
دن غیبت، بدزبانی، چغلی کا شکار
رہے۔ شام کو افطار کا چکر
اور نماز غائب، وہ روزہ کیا رنگ
لائے گا۔ یہ پرلے درجے کی بدقسمتی
ہے۔ اہل اللہ اور اکابر اسلاف
نے رمضان میں جو محنتیں کیں۔
ان سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔
اللہ سے تعلق جن کا صحیح ہوتا
ہے۔ ان کی آتش عشق اس ماہ
میں بطور خاص بھڑک اٹھتی
ہے۔ رات رات مصلّیٰ پر اور
سارا دن تلاوت و تسبیح میں،
سستے ہیں تو برائے نام، کھاتے
ہیں تو برائے نام۔ رات بھر سونا
اور صبح و شام اتنا پیٹ بھر
کر کھا لینا کہ سانس کی جگہ نہ
رہے۔ روزہ کے حقیقی فوائد سے
محروم کر دیتا ہے۔

شعبان کی آخری تاریخ کو
حضور علیہ السلام نے جو خطبہ دیا
اس کا تفصیلی ذکر انشاء اللہ تعالیٰ
خطبہ جمعہ میں ہوگا۔ وہ رمضان
کے فوائد و برکات کا حسین خزانہ
ہے۔ لیکن یہ بات ایک بار پھر
بطور خاص پلّے باندھ لیں کہ خلوص
دیانت اور تمام اعضاء و جوارح
کو اللہ کی مرضی کے مطابق گذار
کر ہی کسی عبادت و نیکی کا
حقیقی ثمرہ حاصل ہو سکتا ہے
آئیں، رمضان کا استقبال ایسے
حال میں کریں کہ ہمارا دل اپنے
پیدا کرنے والے کی یاد سے پُر
ہو، دل و دماغ کا ہر گوشہ
اللہ کی طلب و رضا سے اٹا
ہوا ہو۔ جب دل تجلّی الٰہی کا
مرکز ہوگا اور زبان اس کی
یاد سے تر ہوگی تو غیبت، چغلی
جھوٹ، مکر و فریب سے انسان
محفوظ ہو جائے گا۔ پھر روزہ
ان رفعتوں کا باعث بنے گا
کہ ملائکہ سلام کرنے آئیں گے۔
اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک
کے طفیل رمضان کے بہتر استقبال

(باقی ۱۶ پر)

خطبۂ جمعہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبدالرؤف

رمضان کا مہینہ اللہ تعالیٰ کی برکتوں کا مہینہ ہے

○ جانشین شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عُبید اللہ انور مدظلہم ○

الحمد للہ و کفٰی و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفٰی: اما بعد: فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ○

(صدق اللہ العظیم)

حضرات محترم! دوسرے پارے کے نویں رکوع کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اسلام کو اس کی تمام جزئیات کے ساتھ ماننے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے:۔

"اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے۔ بےشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔"

(از شیخ الہندؒ)

حاشیہ شیخ الہندؒ

اسلام کو پورا پورا قبول کرو، یعنی ظاہر و باطن اور عقیدہ و عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو، یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کرو یا کوئی عمل کرنے لگو۔ سو اس سے بدعت کا قلع قمع کرنا مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے، مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں۔ بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عیدگاہ میں نوافل کا پڑھنا یا ہزار کا روزہ رکھنا یہ بدعت ہوگا۔

خلاصہ اس آیت کا یہ ہوا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو۔

○ محترم حضرات! اسلام میں پورے طور پر داخل ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسلام کے بنیادی ارکان پر یقین کامل رکھنے کے بعد زندگی بھر اُن پر عمل کرتا رہے اسی ایمان مع العمل کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور انسان کی کامیابی کی بنیاد قرار دیا اور اعلان فرمایا ہے کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا۔ جو لوگ ایمان قبول کرنے کے بعد اُن کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگی گذارتے یعنی اعمال صالحہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو ایسی جنّت میں داخل فرمائیں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اسلام کے ارکان

مشکوٰۃ شریف کی پہلی

حدیث میں یہ مضمون موجود ہے کہ حضرت جبرئیلؑ ایک دفعہ ایک اعرابی کے روپ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صحابہ کرامؓ کے سامنے دین کی وضاحت و تعلیم کے لیے چند سوال کئے۔ پہلا سوال اسلام کے بارے میں تھا جس کے جواب میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں (پھر) تو نماز ادا کرے زکوٰۃ دے، رمضان کے روزے رکھے اور اگر تجھے زادِ راہ میسّر ہو تو خانہ کعبہ کا حج کرے۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ بنیادی ارکان کلمۂ توحید، نماز اور زکوٰۃ کے بعد سب سے زیادہ اہم رُکن روزہ ہے۔ قرآن و احادیث کے مطالعہ سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ رمضان المبارک کے استقبال کی تیاری بہت پہلے سے شروع فرما دیتے تھے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا کہ شعبان کے مہینہ کو رمضان کے لیے شمار کرو۔

استقبالِ رمضان کا خطبۂ رسولؐ

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کرامؓ کو رمضان کی اہمیت سے آگاہ فرما کر اس کی برکات سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے شعبان کے آخر میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اس مبارک مہینہ کی اہمیت بیان فرمائی۔ چنانچہ بیہقی میں موجود ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ شعبان کے آخری دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا

"اے لوگو! ایک عظیم مہینہ نے تم پر سایہ ڈال دیا ہے جو بڑا ہی بابرکت مہینہ ہے اس میں ایک رات ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس مہینہ کے روزے فرض قرار دئے ہیں اور اس میں رات کی عبادت نفل قرار دی ہے جو شخص اس مہینہ میں کسی (نفل) نیکی کے ذریعہ خدا کی قربت تلاش کرے یعنی خدا کو راضی کرنے کے لیے عبادت کرے تو اس کا ثواب اتنا ہوتا ہے جتنا دوسرے مہینوں میں کسی فرض عبادت کا ثواب ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس مہینہ میں ایک فرض ادا کرتا ہے تو اسے اتنا ثواب ملتا ہے جتنا دوسرے مہینوں میں ستّر فرض ادا کرنے سے ملتا ہے اور یہ مہینہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنّت ہے۔ اور یہ مہینہ غمخواری کا مہینہ ہے۔ یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے جس میں مومن کا رزق زیادہ کیا جاتا ہے۔ جو شخص اس مہینہ میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے وہ اس کے لیے گناہوں کی بخشش کا سبب اور دوزخ کی آگ سے نجات کا ذریعہ و سبب ہوتا ہے اور روزدار کے برابر اس کو ثواب ملتا ہے اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہوتی۔ ہم نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ

(باقی ۳۰ پر)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی

شانِ استغنا

اکابر دیوبند کی اس دولت کا تذکرہ جس پر کبھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی

جہاں تک میری معلومات ہیں بلکہ تحقیق ہے، میرے اکابر دیوبند پابند رہیں تو کسی پر ہی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی،

میرے چچا جان نور اللہ مرقدہ کے دو قصے تو اتنے مشہور ہیں کہ بہت سی جگہ چھپ بھی چکے ہیں۔ ایک مرتبہ ان کا نظام الدین سے خط آیا، کہ کئی دن سے تمہیں ایک ضروری خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں مگر میرے پاس پیسہ نہیں تھا اور محض خط کے واسطے قرض لینے کو جی نہ چاہا آج پیسے آئے تو کارڈ لکھ رہا ہوں، اس زمانہ میں کارڈ دو پیسے میں آتا تھا، اور ان کا گولر کا قصہ تو بہت ہی زبان زد عام وخاص ہے اور مشہور ہے

ان کا معمول گیارہ مہینے ذکر بالجہر اخیر شب کا تھا، مگر رمضان میں عصر سے مغرب تک کا، اس لئے کہ رمضان شریف کے اخیر شب کے معمولات اور تھے، ماہ مبارک میں ذکر جہری عصر کے بعد شروع کرتے اور مغرب سے دو تین منٹ پہلے ختم کرتے تھے اور ختم کرنے کے بعد پوچھا کرتے کہ لاؤ بھائی افطار کے لئے کچھ ہے؟ اور جو ہوتا وہ وہیں بیٹھے ہوئے ان کو دیدیا جاتا میرے اور ان کے ایک عزیز دہلی کی ایک جامع مسجد میں امام تھے، دلی میں رمضان کی فتوحات کا ماشاء اللہ کیا پوچھنا، مگر ان کو خیال ہوا کہ بھائی جی ساری دلی کے پیر ہیں آج رات وہاں رہ کر گذاریں گے، وہ ظہر کے بعد آئے، وہاں سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے، وہ بھی بیچارے ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے میں لگ گئے، اور جب مغرب کا وقت قریب ہوا تو سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں تو کھانے پینے کا ذکر ہی نہیں، چچا جان نور اللہ مرقدہ نے حسب معمول غروب سے چند منٹ پہلے فرمایا کہ لاؤ بھئی کچھ افطار کے لئے ہو تو، خدام نے عرض کیا کہ وہی رات کا بدھنا گولر کا ہے اور تو کچھ ہے نہیں، فرمایا واہ واہ وہی لاؤ، اور اس میں سے چار پانچ گولر کھا کر خدا کا شکر ادا کیا، ان کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ جو کچھ کھانا پینا ہوتا مغرب سے پہلے ہی کھا پی لیتے اور پھر عشاء تک کھڑے ہوئے نفلوں میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور عشاء کی اذان سے دس بارہ منٹ پہلے سلام پھیر کر وہیں مسجد ہی میں لیٹ جاتے تھے اور خدام پاؤں دباتے تھے اور عشاء کی جماعت سے دس بارہ منٹ پہلے اٹھ کر وضو وغیرہ شروع کر دیتے، تراویح خود ہی پڑھایا کرتے تھے، بہت اطمینان سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں تراویح سے فراغت ہوتی، میرے ان عزیز نے تو مغرب کے بعد اندر جا کر کھانا کھا لیا اور چچا جان تراویح کے فوراً بعد سو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چارپائی پر تکیہ پر سر رکھنے کی خبر ہی نہیں ہوتی اس سے پہلے ہی سو جاتا ہوں، یہ ملکہ اللہ جل شانہ نے میرے حضرت نور اللہ مرقدہ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کو دے رکھا تھا کہ جب چاہیں سو جائیں اور جب چاہیں اٹھ جائیں، چچا جان اس وقت سو کر بارہ بجے اٹھ جاتے تھے چاہے کوئی موسم ہو اور اس وقت اٹھ کر وضو پیشاب وغیرہ کرتے اتنے میں کوئی خادم دو انڈے ابال کر رکھ دیتا، اور اس کے بعد پھر نماز کی نیت باندھ لیتے، اور صبح صادق سے دس پندرہ منٹ پہلے سلام پھیرتے اور خدام سے فرماتے لاؤ بھئی سحری کے لئے کچھ، خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہی رات کے گولر ہیں، چار پانچ کھا کر پانی پی لیا، میرے ان عزیز نے یہ منظر دیکھ کر صبح کی نماز کے بعد جانے کی اجازت چاہی، چچا جان نے کہا کہ آج نہیں، یہ بیچارہ سوچتا رہا کہ میں کیا سوچ کر آیا تھا، مگر چچا جان

نے زور سے منع کر دیا تھا اس لئے ٹھہرنا پڑا
دوسرے دن عصر کے آدھ گھنٹہ بعد دہلی سے
ایک دیگ بہت ہی بڑھیا بریانی کی آئی
چچا جان نے فرمایا کہ آؤ تمہارے واسطے آئی
ہے ہمارے تو وہ گولر ہی تھے'

حضرت شیخ الاسلام کو دیوبند سے پشاور
یا کلکتہ جانا ہوتا تو دسیوں دفعہ میرے
ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت نے فرمایا
سہارنپور تک کا ٹکٹ لیا ہے آگے کے
دام نہیں تھے، اور حضرت مجھ سے کرایہ
لیکر آگے تشریف لیجاتے تھے، میرے
پاس بھی بعض اوقات نہیں ہوتا تھا کہ
میری تو ساری زندگی ہی قرض سے چلی ہے
میں کسی سے لیکر پیش کر دیتا، اور حضرت
شیخ الاسلام کو جہاں فتوحات میں اس قرض
کی مقدار پوری ہو جاتی اسی جگہ میزبان کو
وہ رقم اور منی آرڈر کی فیس دے کر چلے جاتے
اور واپسی پر دے دیتے یہ انگریزوں کو جو
آپ نے اتنے پیسے مفت میں نذر کئے یہ
موالات میں نہیں ؟ حضرت قدس سرہٗ
فرماتے کہ موت کا اعتبار نہیں، میں عرض
کرتا کہ ہاں میں تو ضرور قیامت کے دن آپ
کا دامن پکڑ لیتا۔ یہ بات کہ حضرت کو دیوبند
میں کوئی نہیں ملتا تھا جس سے قرض لے
لیتے، ظاہر میں تو بڑی قوی ہے، مگر اس
ناکارہ کے ساتھ جو حضرت کا تعلق اس وقت
سے تھا جب میری عمر بارہ برس کی تھی، اس
کی تفصیل کا یہ وقت نہیں، حضرت مدنیؒ
کی عسرت کے واقعات تو مدینہ کے ابتدائی
کام میں اتنے طویل لکھے ہیں کہ ان کا لکھنا
مشکل ہے جو دیکھنا چاہے نقش حیات
دیکھ لے،

میرے والد صاحب کو میں نے جب سے
ہوش سنبھالا ہے مقروض ہی پایا اور
اخیر تک ہی مقروض رہے، انتقال کے وقت
بھی آٹھ ہزار قرض تھا، اور یہ تنعم یا ذاتی
اخراجات پر صرف نہیں ہوتا تھا، بلکہ ان کو
ایک جذبہ تھا اکابر کی کتابوں کی اشاعت
کا جو مجھ سے بھی زیادہ بڑھا ہوا ہے
بہشتی زیور کی کثرت اشاعت میں حضرت
حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی برکت اور کتاب
کی اہمیت کے علاوہ میرے والد صاحب
کے اس جذبہ کو بہت دخل تھا، بہشتی زیور
ان کے یہاں سالہا سال چھپتا رہتا تھا کسی وقت
بند نہیں ہوتا تھا، جونسا حصہ ختم ہوا اس کا
آرڈر دوبارہ دے دیا جاتا، ہر حصہ پانچ
ہزار چھپتا تھا، اس وقت میں بہشتی گوہر
کے علاوہ ہر حصہ تقریباً ساڑھے سات
پیسے میں پڑتا تھا اور تاجروں کو عموماً
سات پیسے میں دیا جاتا تھا اور تاجران
کی اصطلاح میں وہ سمجھا جاتا تھا جو دس
دس نسخے اکٹھے خرید کرتا، اس لئے بہت
سے لوگ چند آدمی مل کر دس نسخے خرید لیتے
اور اپنے یہاں جاکر کامل بہشتی زیور مع بہشتی
گوہر کے جس کی عام قیمت ڈھائی روپے تھی
ان کو دو سوا دو روپے میں بیچ دیتے اور
ان کا اپنا نسخہ مفت میں رہ جاتا

اعلیٰحضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ کے
یہاں آمد و رفت کثرت سے رہتی تھی
جن سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جاتی
ان کو چار پانچ نسخے دیدیتے کہ بیچ کر اتنے
خود رکھ لیجیو اور اتنے مجھے بھیج دیجیو
والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے انتقال کے
بعد کئی سال تک لوگوں کے خطوط آتے رہے
کہ مولانا مرحوم نے اتنے نسخے بہشتی زیور کے
دیئے تھے بک تو اسی وقت گئے تھے مگر دام
بھیجنے میں تساہل ہوا، اب بھیجتا ہوں اور
بعض لوگ لکھتے کہ اس وقت تو پیسے
بھیجنے میں تساہل ہوا اور اب اتنی گنجائش
نہیں معاف کر دے،" اور اس کے ساتھ
ہی میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا معمول
تھا کہ رات کو اپنے پاس کوئی پیسہ نہیں رکھتے
تھے، اگر روپیہ یا اس سے زائد ہوا تو کسی قرض
خواہ کو دیدیا اور کم ہوا تو ہم بچوں کو دیدیا
اور یوں فرمایا کرتے کہ میرا جی نہیں چاہتا
کہ رات کو اگر موت آجائے اور میری ملک
میں کوئی پیسہ ہو، یہ اور اس قسم کے واقعات
میرے اکابر کے بہت کثرت سے ہیں

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ
صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں درج
ہے، آپ بیتی ص۱۵۲ میں لکھا ہے کہ حضرت
حاجی صاحب کے فقر و فاقہ کے حالات بہت
ہی کثرت سے سننے میں آئے، حضرت
تھانویؒ حضرت حاجی صاحبؒ کے حالات
میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ
کے مرشد حضرت میانجیو کے ۱۲۵۹ھ میں
رحلت فرمانے کے بعد قلب مبارک میں
جذبہ الٰہیہ پیدا ہوا اور آپ آبادی سے
ویرانہ کو چلے گئے، مخلوق سے نفرت فرماتے
تھے، اور جنگل پنجاب وغیرہ میں اوقات
بسر فرماتے تھے، اور اکثر وقت فاقہ سے کہ
سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے بے تکلف
ہوتے تھے، یہاں تک کہ آٹھ آٹھ روز

اور زیادہ بھی گذر جاتے اور ذرا سی چیز حلق میں نہ جاتی، اور حالتِ شدتِ بھوک میں اسرار وعجائب فاقہ منکشوف ہوتے تھے، بیان فرماتے تھے کہ ایک دن بہت بھوک کی تکلیف میں ایک دوست سے کہ نہایت خلوص دلی رکھتا تھا، چند پیسے میں نے قرض مانگے تھے. باوجود موجود ہونے کے صاف انکار کر دیا اس کی اس نا اتفاقی سے تکدر وملال دل میں پیدا ہوا، چند منٹ بعد ایک تجلی نے استیلاء فرمایا، اور معلوم ہوا کہ یہ فعل فاعل حقیقی سے متکون ہوا ہے، اس وقت سے خلوص اس دولت کا زائد ہوا اور وہ تکدر مبدل بلطف ہو گیا، بظاہر یہ دوسرا واقعہ ہے اور مکہ والا دوسرا واقعہ ہے، اس لئے کہ حضرت حکیم الامت نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ جب میں مکہ مکرمہ آیا تو نوبت فاقوں تک پہنچ گئی، کئی کئی دن تک اتفاق کھانے کا نہیں ہوتا تھا، میں نے عرض کیا کہ بارالہا مجھ میں طاقت امتحان نہیں ہے، بعدہٗ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ لاکھوں روپے کا خرچ تمہارے ہاتھوں مقرر ہوگا، میں نے عرض کیا کہ اس مہم کی طاقت نہیں رکھتا، ہنس کر فرمایا کہ تمہاری حاجت بند نہیں رہنے کی، اس وقت سے خرچ ماہانہ کی اول مرتبہ سو روپے ہے خدا اپنے خزانۂ رحمت سے پہنچاتا ہے،،

حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ قطب عالم حضرت حاجی صاحب کو فرماتے ہوئے خود میں نے سنا کہ ایک ہفتہ تک موصوف کو صرف زمزم کے پانی پر گذارہ کرنا پڑا، اسی اثناء میں ایک مخلص دوست سے جو کہ بہت زیادہ اخلاص کا مدعی تھا چند پیسے قرض مانگے تو اس نے ناداری کا بہانہ کر کے انکار کر دیا، حالانکہ واقع میں نادار نہ تھا حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اس کے انکار سے سمجھا کہ منشاء الوہیت یہی ہے اس لئے میں بھی صبر کر کے چپکا ہو گیا، اس کے علاوہ اور بہت سے واقعات ہیں ان کا احصاء مقصود نہیں

حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے متعلق تذکرۃ الرشید ص ۳۶/۱ میں لکھا ہے کہ — ایام طالب علمی میں آپ نے اپنی خورد و نوش کا دہلی میں کسی پر بار نہ ڈالا تین روپے ماہوار آپ کے ماموں بھیجا کرتے تھے، اسی میں روکھی سوکھی روٹی اور دال ترکاری وقت پر جو کچھ آسانی سے مل گیا آپ نے کھائی اور اسی تین روپے میں کپڑے دھلائی، اصلاحِ خط یا جو کچھ بھی ضرورت پیش آتی پوری کرتے، دہلی میں آپ کو کئی کیمیاگر اور مہوس بھی ملے اور انہوں نے آپ کی روش اور انداز کو دیکھ کر بہ نیت محبت بتانا اور آپ کو کیمیا کا بنانا سکھانا بھی چاہا، مگر آپکی زاہد اور قناعت پسند طبیعت نے خود طمع یا حرص کرنی تو در کنار اس کا سیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا،

میں نے اپنے والد صاحب سے سنا کہ ایک دفعہ ترمذی پڑھاتے ہوئے وہ پرچہ میری ترمذی میں نکل آیا، ایک صاحب نے فرمایا کہ مجھے نقل دیدیجئے، میں نے ان کو اصل ہی دیدی کہ مجھے کیا کرنا ہے،،

دوسری جگہ ص ۲۷/۲ پر حضرت گنگوہی کا ارشاد نقل کیا ہے کہ :-

"میں نے اور میرے گھر والوں نے فاقے اٹھائے مگر الحمد للہ قرض کبھی نہیں لیا،،

تذکرۃ الرشید ص ۲۷/۲ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ والی افغانستان سلطان حبیب اللہ خان نے اپنے سفیر کے ہاتھ پانچ ہزار روپے حضرت کی خدمت میں بھیجے اور یہ کہا کہ یہ مقدار ہر سال آتی رہیگی اور معاوضہ صرف دعا ہے مگر حضرت نے قبول نہ فرمایا، تو سفیر نے کہا کہ مجھے کم از کم میری حاضری کا تو لکھدیں، والی کو شبہ ہوگا کہ ویسے ہی بات بنا دی۔ تو حضرت نے فارسی زبان میں یہ لکھوا دیا کہ بحیثیت اسلام مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا دل آپ کو ہمیشہ دعا دیتا ہے، خصوصًا موجودہ حالت میں محبت اسلام اور قدر و منزلت علم کی خبریں سن کر بہت خوش ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائے آپ کی نذر پہنچی مگر چونکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے جمع کر کے کیا کرونگا، اس لئے واپس کرتا ہوں کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے اور مجھے بہر حال دعاگو سمجھئے

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے واقعات بہت کثرت سے فقر وفاقہ کے سُنے،،

سوانح قاسمی ص ۵۲/۱ میں لکھا ہے کہ ہمارے حضرت کے پاس کپڑوں کی گٹھڑی تھی نہ ٹرنک، نہ بکس تھا اس منقطع عن الخلق اور زاہد کے حجرہ میں کچھ بھی نظر نہ آتا تھا چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی گویا عمر بھر کے لئے اسی چٹائی کو منتخب فرما لیا تھا، سفر میں بھی کوئی اہتمام نہ تھا، اگر کبھی ایک آدھ کپڑا

ہوا تو کسی کے پاس رکھوا دیا، ورنہ اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا، البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی، جب کپڑے میلے ہوئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لئے اور خود ہی دھو لئے

حضرت شیخ الہندؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ لباس کیا تھا، بغیر کرتہ کے بندوں دار اچکن یا انگرکھا اور پائجامہ، سردی ہوئی تو مختصر سا عمامہ، ورنہ عموماً کنٹوپ تمام سردی میں سر پر رہتا تھا، آخری علالت کے دوران جس کے بعد پھر صحت واپس نہیں ہوئی یہ لباس تھا، سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ جس میں لہرے پڑے ہوئے تھے اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اس لئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزائی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوتے تھے اور نیچے نہ کرتا تھا نہ انگرکھا تھا اور ایک رضائی اوڑھے ہوئے تھے جو نیلی رنگی ہوئی اور جس میں گوٹ لگے ہوئے تھے جو پھٹی ہوئی تھی اور کہنہ تھی اور کہیں سے بالکل اڑی ہوئی تھی،

مولانا احمد حسن امروہوی نے اپنا خود دیکھا ہوا واقعہ لکھا ہے کہ شاہ جہاں پور سے خدا شناسی والے میلے تک جانے کیلئے راستہ میں ایک ندی پڑتی تھی، مولانا پیدل جا رہے تھے، ندی میں پانی تھا، پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا پار اتر کر لنگی باندھی اور پاجامہ اتار کر نچوڑا اور پیچھے لاٹھی پر ڈال کر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں تشریف لے چلے،

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ بعد انتقال والد صاحب (مولانا مملوک علی صاحب) کے احقر اپنے مکان مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ دہلی میں تھا جا رہا تھا، مولوی صاحب (مولانا محمد قاسم صاحب) بھی میرے پاس آ رہے، کوٹھے پر جھلنگا دبڑی سی ٹوٹی ہوئی چارپائی، پڑا ہوا تھا اس پر پڑے رہتے تھے روٹی بھی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تک اسی کو کھا لیتے تھے، میرے پاس روٹی پکانے والا نوکر تھا، اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں سالن دے دیا کرو، مگر بدقت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے ورنہ وہی روکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑے رہتے تھے،

ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۱۷

لکھا ہے کہ نواب محمود علی خان صاحب مولانا سے ملاقات کے بہت متمنی تھے مگر مولانا کبھی ان سے کبھی نہیں ملے، چنانچہ دو مرتبہ مولانا سے خورجہ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڑھ، مگر جب مولانا کو ان کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی طرف چل دیتے اور فرماتے تھے کہ نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا، ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دیں، اور دوسری عجیب بات یہ فرمائی کہ وہ اگر ایسا کریں گے تو میں انکی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلونگا۔ دوسری بات کو تو نواب صاحب سن کر ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر اجازت نہیں ملی،

حضرت نانوتوی کی شادی کا قصہ بہت مشہور ہے، سوانح قاسمی صفحہ ۵۰۷ میں حضرت کی اہلیہ محترمہ کی روایت درج کی ہے وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے والد شیخ کرامت حسین رئیس دیوبند نے جب حضرت سے نکاح کر کے مجھے رخصت کیا تو اس زمانہ کے لحاظ سے جہیز بہت بڑا اور عظیم الشان دیا جس میں قیمتی زیورات کپڑے اور تانبے کے برتن وغیرہ کا بہت بڑا ذخیرہ تھا حضرت جب شب اول میں تشریف لائے تو آتے ہی نوافل شروع فرمائے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد میرے پاس تشریف لائے اور انتہائی سنجیدگی اور متانت سے فرمایا،، جب کہ تم کو اللہ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے تو نبھاؤ کی ضرورت ہے مگر بصورت موجودہ نبھاؤ میں دشواری ہے کہ تم امیر ہو اور میں غریب نادار ہوں، صورتیں اب دو ہی ہیں یا میں بھی تونگر بنوں یا تم میری طرح نادار بن جاؤ اور میرا امیر بننا تو دشوار ہے اس لئے آسان صورت دوسری ہو سکتی ہے کہ تم میری طرح ہو جاؤ کچھ اور بھی اسی طرح فرمایا، اخیر میں یہ فرمایا کہ اگر تم کو کسی بات کا حکم دوں جس میں تمہارا نفع ہی ہو تو کیا تم کو مجھ پر اعتماد ہو گا؟ کئی بار فرمانے پر بالآخر میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے، اس پر حضرت نے فرمایا اچھا سب زیور اتار کر مجھے دیدو اور جس قدر تمہارے ساتھ کپڑے اور برتن ہیں ان کا بھی مجھے اختیار دے دو، اس پر حضرت کی اہلیہ نے بغیر کسی تذبذب کے اور دغدغہ کے عرض کیا کہ آپ کو کل اختیار ہے اور پھر علی الصباح تمام زیورات اور کپڑوں کے تمام جوڑے اور سارے برتن

جو ہزاروں روپے کا سامان تھا، سب کا
سب چندہ سلطانی میں دیدیا (خلافت
اسلامیہ ترکی کے لئے اس وقت ہندوستان
میں چندہ ہو رہا تھا) آگے حضرت کی اہلیہ
ہی فرماتی ہیں کہ جب میں دیوبند واپس ہوئی
تو رئیس باپ نے میرے ہاتھ پاؤں، ناک،
کان کو خالی دیکھ کر پوچھا کہ زیور کیا ہوا
تو میں نے جو کچھ واقعہ پیش آیا تھا سب اپنے
والد کے سامنے دہرا دیا، شیخ کرامت حسین
صاحب زبان سے تو کچھ نہ بولے، لیکن اس
خیال سے کہ بچی اعزہ اقربا کے سامنے ننگی
بچی ہوئی کب تک رہیگی، پھر از سر نو پورا
جہیز تیار کیا، حضرت کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ
میں دوبارہ لدپھند کر پھر سسرال پہنچی،
رات کو حضرت تشریف لائے پھر ترغیب
آخرت سے دوبارہ گفتگو شروع ہوئی اور
کل کی تیاری کے لئے آج کا اختیار پھر لینے
کی خواہش ظاہر کی، اختیار جو پہلے ہی دیا جا
چکا تھا اسکی واپسی کا سوال ہی کب پیدا
ہوا تھا، کہدیا گیا کہ آپ مختار ہیں، اور پھر
صبح ہی یہ ہزاروں کا مال پھر سلطانی چندہ
میں دے ڈالا، حضرت کی اہلیہ محترمہ عموماً کہا
کرتی تھیں کہ اس کے بعد میرے قلب سے
روپے پیسے اور زیور وغیرہ کی محبت ہی
نکل گئی بلکہ ان اشیاء سے ایک قسم کا تنفر
پیدا ہو گیا، پھر عمر بھر نہ میں نے زیور بنوایا
اور نہ فاخرہ لباس کی مجھ میں کبھی ہوس یا
آرزو پیدا ہوئی، مولانا الحاج قاری محمد
طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ
کا ذکر ہے کہ حضرت نانوتوی کے کسی معتقد
نے ایک چادر بیش قیمت اور ایک عمدہ طلائی
زیور بی بی صاحبہ کی ملک کر کے بھیجا،
حضرت نے ان تک یہ امانت تو پہنچادی لیکن
ادائے امانت کے بعد اپنے اختیار کی
جو بات تھی بی بی صاحبہ کے سامنے بایں الفاظ
اسے پیش کرنے لگے کہ فی الحقیقت چادر
اور زیور سے دل خوش ضرور ہوتا ہے لیکن
چند روز کے استعمال کے بعد یہ دونوں ہی
چیزیں خراب ہو جائیں گی اور یہ بھی ارشاد
ہوا کہ جو کام اس ریشمیں چادر سے نکلے گا
وہی لٹھے کی سفید چادر سے بھی نکل
سکتا ہے خداوند تعالیٰ ان کے عوض عاقبت
میں پائیدار لباس اور زیور عطا فرمائیں گے
اس پر بی بی صاحبہ نے دونوں کو فوراً دے
دیا اور دل پر میل نہ آیا،

(سوانح قاسمی صـ ۵۱۵)

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی
گنگوہ کے قیام میں بہشتی زیور کے قرضہ میں
میری والدہ کا سارا زیور لے کر ایک صاحب
کے پاس گروی رکھا تھا، وہ بھی ایک
صاحبزادے تھے اور اپنے آپ کو بڑا
ہوشیار سمجھتے تھے، انہوں نے ان سارے
زیورات کو گلا کر سونے کی ایک ڈلی بنالی
اور جب والد صاحب نے پوچھا کہ یہ آپ
نے کیا کیا؟ فرمانے لگے حضرت آجکل سونے
کی قیمت زیادہ ہے والد صاحب چپ ہو گئے
اور والدہ نے بھی کہدیا کہ میں اس کا زیور
تو دوبارہ بنوانے سے رہی، شوق کے
دل پورے ہو گئے اب آپ ہی اس
کو اپنے قرضہ میں لے لیجئے،

تھوڑی سی مناسبت سے ایک اور واقعہ
بھی لکھدوں، سنہ ۶۳ھ میں میری بچیاں حج کو
گئیں، میں نے ان سے کہدیا کہ سب اپنا اپنا
زیور دے دو جس کے پاس جتنی کسر رہ جائیگی
وہ میں پوری کردونگا، بہت ہی شوق سے
سب نے اپنا زیور دے دیا، اس سفر
میں حضرت مدنی نور اللہ مرقدہٗ بھی ساتھ
تھے اور عزیزان مولوی یوسف اور مولوی
انعام بھی، آپ بیتی میں یہ قصہ مفصل آچکا
ہے،

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے
متعلق مولوی لطیف الرحمٰن کی روایت
آپ بیتی نمبر ۶ صـ ۲۰ میں لکھی ہے کہ
ایک مرتبہ پیالہ لے کر حضرت اقدس سہارن
پوری کے دولت کدہ پر گیا حضرت کے منتظم
کار حاجی مقبول احمد صاحب آئے میں نے
ان سے کہا کہ مطبخ کی دال کھائی نہیں جاتی
تھوڑا سا سالن دیدیجئے، انہوں نے جواب
دیا آج تو سالن ہے نہیں، میں نے کہا کہ
حضرت کے سالن میں سے دیدو، انہوں نے
جواب دیا کہ حضرت کا سالن بھی نہیں
آج گھر میں فاقہ ہے، اس پر میں نے
کہا کہ اچھا بازار سے حضرت کے لئے کچھ لے
آؤں، اس پر انہوں نے فوراً میرے
پیر پکڑ لئے کہ اللہ کے واسطے ایسا نہ کرنا
ورنہ میری آفت آجائیگی کہ گھر کا راز کیوں
ظاہر کیا، لیکن جب گھر سے باہر تشریف لاتے
تو عمدہ لباس میں تاکہ کسی کو ادنیٰ اشتباہ
بھی نہ ہو کہ گھر میں فاقہ ہے،

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ جب
۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم میں مدرس ہو کر
آئے تھے تو مدرسہ کے متصل کرایہ پر ایک
مکان لیا تھا دو روپیہ ماہوار اس کا کرایہ

تھا، اور جب سنہ ۱۳۴۴ھ میں مستقل مدینہ پاک میں قیام کی نیت سے گئے اس وقت تک اسی میں قیام رہا، دروازہ کے متصل ایک چھوٹی سی چھپریہ تھی یہ باورچی خانہ تھا، اس کے بعد میں ایک کوٹھڑی تھی باورچی خانے کی چھپریہ اسی کے سامنے پڑی ہوئی تھی اس کے سامنے ایک کوٹھا تھا اس پر بھی ایک چھپر پڑا ہوا تھا، ہمیشہ اسی میں گذر فرمایا، ۴-۵-برس میں وہ "چھپر" گل جاتا اس کو پھر بدل دیا جاتا، لوگوں نے کہا بھی کہ اس کی جگہ ایک ٹین ڈلوالیں، حضرت نے فرمایا ارے کاہے کے واسطے، کے دن کی زندگی ہے، وہ چھپر جہاں سے ٹپکتا اس کے نیچے سے سامان کچھ آگے کو سرکا لیا جاتا میں نے بھی بہت دفعہ اس چھپر کو ٹپکتے دیکھا، مگر حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے کبھی ٹین ڈلوانے کا ارادہ نہیں کیا جب مستورات گھر میں مہمان ہوجاتیں، تو حضرت مدرسہ میں آرام فرمایا کرتے، بالخصوص جب حضرت گنگوہی کی صاحبزادی تشریف لاتیں اور وہ کئی دن قیام فرمایا کرتی تھیں ایک دو دن حضرت کے یہاں، اس کے بعد ناکارہ کے مکان پر تشریف لے آتیں الغرض حضرت ۱۳۴۴ھ میں تشریف لے گئے پھر اس مکان میں وہ شاندار تغیر ہوئے کہ سارا ہی نقشہ بدل گیا، چھپروں کی جگہ سہ دری بن گئی وغیرہ وغیرہ، حضرت قدس سرہٗ کے زمانے میں پاخانہ پر چھت بھی بہت مختصر تھی ہو صرف قدمچہ پر آتی تھی معلوم نہیں اس پر کس طرح گذر ہوتا تھا

اسی طرح میرے دوسرے اکابر کے مکانات بھی اگر ذاتی ہوتا تو بہت مختصر ہوتا اور اگر کرایہ پر ہوتا تو بہت مختصر کرایہ ہوتا، ان اکابر کے دور کے بعد جب اصاغر کا دور آیا تو ماشاء اللہ ہر مکان اونچا اونچا تیار ہو گیا، ے دنیا کی بے ثباتی "ہر چہ گیرید مختصر گیرید" پر ان اکابر کا بہت ہی عمل دیکھا اعلیحضرت گنگوہی رحہ کے مکان میں بھی ایک بہت چھوٹی سی کوٹھڑی تھی، اخیر میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی سب چیزیں اسی میں رکھی رہتی تھیں اور اس کی چابی حضرت کے پاس رہتی تھی، کھانا وغیرہ تو باہر نوش فرماتے صحن میں یا سہ دری میں مگر وہ کوٹھڑی حضرت کی مخصوص تھی،

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری کے یہاں بھی ابتدائی دور تو بہت ہی فقر و فاقہ سے گذرا، مگر اخیر میں فتوحات کا دور بھی ہو گیا تھا اس میں بعض اوقات تنگی آجاتی تھی،

ملا عبدالعزیز صاحب نے ایک دفعہ آکر کہا کہ حضرت آٹا بھی ختم ہو چکا اور لکڑیاں بھی تمام ہو گئیں، "کل کے لئے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ" آپ سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا، مگر خود فرماتے تھے کہ دل میں اپنے مالک سے یہ دعا ہوئی، کہ اے کریم آقا! یہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول ہے کیا فاقہ کریگی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل میں جاگا کہ توجان تیرا کام: اگر فاقہ ہی کرانا مقصود ہے تو صبر کی توفیق بھی بخشنے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے

رات ہوئی اور موجودہ غلہ پکا کر مٹکے خالی ہوگئے، مگر آپ کی طبیعت پر نہ ہراس و پریشانی آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ پیدا ہوا، صبح نہ ہوئی تھی کہ طالب علم جو نہانے کے لئے ندی پر گئے تھے، دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں بہی چلی آرہی ہیں، خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا، اور آپ نے فرمایا کہ کریم و رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے جاؤ جتنی کھینچ جائیں سمیٹ لاؤ، چنانچہ سارے طالب علم دوڑ پڑے اور روک لگا کر لکڑیاں لانی شروع کردیں کہ دو گھنٹے میں اتنا اونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی،

اس کے حاشیہ میں مولانا عاشق الٰہی رحؒ لکھتے ہیں کہ برسات میں پانی برس کر بہہ کر نالوں ندیوں میں جاتا اور پڑی گری لکڑیوں کو اور خس و خاشاک کو بہالے جاتا ہے یہ لکڑیاں عام ہوتی ہیں، جو لے لے اس کی ہیں اس لئے لے لی گئیں" (از زکریا، خودرو درخت بھی پانی میں بہہ کر چلے آتے ہیں)

اب آٹے کی ضرورت رہ گئی، دو گھنٹے ڈاکیہ آیا اور ڈیڑھ سو روپے کا منی آرڈر پیش کیا، جس میں لکھا تھا کہ مدرستہ القرآن کے لئے بھیجتا ہوں اس کے خرچ میں لاویں آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسا شخص جس کو میں جانتا بھی نہ تھا، میں نے بار بار کہا کہ کسی اور کا ہوگا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں آیا مگر ڈاکیہ نے کہا کہ پتہ آپ کا، نام آپ کا مرسل کو آپ پہچانیں یا نہ پہچانیں

مگر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ منی آرڈر
آپ کا ہے، پس آپ نے وصول فرمایا
اور یہ کہہ کر ملا عبد الحفیظ کے حوالہ کیا کہ لو
ملاجی! اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمانوں کے
آٹے لکڑی کا سامان کر دیا، روٹی کا
وقت آگیا ہے اس لئے جلدی آٹا منگالو
کہ لکڑی موجود ہے، موٹی موٹی روٹیاں
پکا کر سب نمک سے کھالیں

تذکرۃ الخلیل صـ۱ـ۲

حضرت کے یہاں اس قسم کے واقعات
بہت پیش آئے، اور اخیر میں خود حضرت
فتوحات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ لاتعد ولا
تحصیٰ، مگر حضرت کو اس کا رکھنا بہت
ہی گراں تھا، جب دوپہر ہوتی حضرت
فرماتے بھائی دیکھو یہ تکیہ کے نیچے کوئی
کیا رکھ گیا، اور اسی وقت اعزہ واقارب
اور ضرورتمندوں کو تقسیم کر دیتے، حتی کہ
اخیر میں حضرت نے اپنے پہننے کے کپڑے
بھی اپنے خادم خاص مولانا عبد القادر
صاحب کو دیدیئے تھے کہ اب جو دن
زندگی کے ہیں، تمہارے کپڑے مانگ کر
پہن لوں گا، مگر حضرت مولانا عبد القادر
صاحب ادباً ان کو پہنا نہیں کرتے تھے
اور جمعہ بھی چونکہ حضرت مولانا عبد القادر
صاحب ہی پڑھاتے تھے اور ایک ہی
جوڑا تھا جس کو دھو کر پہنا کرتے تھے
ایک دن جمعہ میں آنے میں دیر ہوگئی
حضرت نے بار بار پوچھا کیوں دیر ہوئی
مگر حضرت کے اس سوال پر کہنا پڑا
تو اعلیٰ حضرت نے بڑی ترشروئی سے فرمایا
کہ یہ میرے کپڑے تمہارے پاس آگ
لگانے کے لئے رکھے ہیں، مگر حضرت کا
ولولہ یہی تھا کہ کوئی چیز میرے ملک میں نہ رہے
(سوانح مولانا عبد القادر صاحب صـ)

حضرت مولانا الحاج شاہ عبد القادر صاحب
رائے پوری رح کے حالات میں لکھا ہے
کہ رائے پور کے ابتدائی قیام میں ایک
روٹی روز ملتی تھی وہ بھی کہیں سے کچی کہیں
سے پکی بغیر سالن کے، گاؤں سے کسی دن
چھاچھ آجاتی تو اس سے حلق میں اتاری جاتی
ورنہ پانی سے، وہ ارشاد فرماتے تھے کہ
ہمارے یوپی کے ساتھی تو اسی ایک روٹی کو
آدھی آدھی کر کے دو وقت میں کھاتے اور
میں پنجاب کا رہنے والا ایک ہی وقت میں
کھا لیتا تھا اور دوسرے وقت میں اللہ
کا نام، باغ میں پتے تلاش کیا کرتے تھے
جن پر گذر ہو جائے، مختلف پتے بھی کبھی
کبھی کھائے، اکثر مہمانوں کی چائے سے
جو پتی بچتی تھی اس کو پکا کر اور باورچی خانے
میں جو پرانا گڑ مل جاتا تھا اس کو پکا کر شیرہ
بنا کر اس میں وہ پتی ڈال کر روٹی اس سے
کھا لیتا تھا،

کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ایک پھٹا ہوا
کپڑا کسی کا پڑا ہوا تھا، ردی کر کے ڈال
دیا گیا تھا، حضرت نے اسکو اٹھا کر دھو کر
پاک کر کے اس کو حافظ یوسف علی کی گھوڑی
جہاں بندھی تھی اس کو وہاں بچھا دیا تھا وہی
بستر تھا، وہی مصلےٰ تھا، ۱۸ سال تک
اسی پر گذارا کیا، خانقاہ میں ایک ہی لالٹین
تھی وہ حضرت نور اللہ مرقدہ کے حجرے میں
رہتی تھی اور خانقاہ میں سانپ، بچھو،
کنکھجورے جنگل کی طرح کثرت سے ہوتے
تھے، حضرت فرماتے تھے کہ ایک ٹوٹا ہوا
بانس بستر کے قریب رکھا رہتا تھا اس
کو کبھی زمین پر مار دیتا تھا کہ کوئی سانپ
بچھو ہو تو بھاگ جائے (سوانح مولانا
عبد القادر صاحب صـ۲)

مولانا کے بھی بہت سے واقعات
ان کی سوانح میں ہیں، اس میں یہ بھی لکھا
ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا، سردی کا موسم تھا
میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھونے
کا نہ تھا، شام کو مغرب سے لیکر عشاء
تک وضو کے لئے جہاں پانی گرم ہوتا تھا
وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا
رہتا تھا، پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے
دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے
آپ کو لپیٹ لیتا تھا مگر اس میں بھی پاؤں
اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی، پھر تھوڑی
دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر
نکل آتا تھا، اور ذکر شروع کر دیتا اور
ساری رات ذکر کی گرمی سے گذارتا، اسی طرح
سارا موسم سردی کا ختم ہو گیا مگر نہ میں نے
کسی سے ذکر کیا اور نہ کسی پر ظاہر ہوا، فرماتے
تھے کہ سردی تو اس طرح گذر گئی مگر اس کے
بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از
کم ایک رضائی نئی نہ آئی ہو،
(سوانح مولانا عبد القادر صـ۶)

اس ناکارہ زکریا پر سارے ہی اکابر کی
شفقتیں رہیں، مگر افسوس کہ اپنی حالت
درست نہ ہوئی، ان رضائیوں میں جس
سال کوئی بہت بڑھیا رضائی آتی تو اس کو
حضرت اس ناکارہ کے پاس بھیج دیا کرتے
تھے اور یہ ناکارہ اپنے بخل کی وجہ سے

خود تو اچھا کپڑا پہننے کا عادی کبھی نہیں
ہوا، وہ تو میرے ابا جان کے جوتوں نے
شروع ہی سے نکال دیا تھا، یہ تو آپ
بیتی نمبر ۱، ص۱۳ میں گذر چکا، حضرت
کی اس رضائی کو بہت احتیاط سے ایک
ٹاٹ میں باندھ کر رکھ دیا کرتا تھا اور
جو لسی بچی کا نکاح ہوتا اسی کے جہیز
میں وہ دیا کرتا تھا، میری سب بچیوں
کے جہیز کی رضائیاں حضرت ہی کی دی
ہوئی ہیں، اخیر زمانہ میں حضرت پر فتوحات
کا دور کھل گیا تھا، مگر اپنے شیخ نور اللہ
مرقدہ کی طرح سے حضرت پر بھی جو آتا
تھا اسی وقت خرچ کرنا ضروری تھا"
اگر میں حاضر ہوتا تو مجھ کو اکثر مرحمت
فرمادیا کرتے تھے اور جیب میں کبھی اصرار
کرتا کہ حضرت کے خدام بہت ہیں حضرت
ان میں سے کسی کو دیں تو حضرت فرماتے
کہ میرے دینے پر انکار نہ کیا کرو، میں
حکم سے دیتا ہوں تو مجھے بھی چپ ہونا
پڑتا،"

میرے سارے اکابر پر

ابتدائی دور بہت ہی سخت گذرے ہیں
حضرت مدنی کے مدینہ کا ابتدائی دور
تو نقش حیات میں بہت کثرت سے
ذکر کیا گیا ہے مگر اخیر میں سب حضرات
پر فتوحات بہت ہوئیں، حضرت گنگوہی
کا واقعہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امیر کابل
نے پانچ ہزار روپے بھیجے تھے مگر حضرت
نے واپس کر دیئے اور حضرت حکیم الامت
تھانوی رح کی سوانح میں لکھا ہے کہ روزانہ
کئی کئی منی آرڈر واپس ہوتے تھے،"

حضرت نانوتوی کے حالات میں لکھا ہے
کہ حضرت چھتہ کی مسجد میں حجامت بنوا رہے
تھے کہ شیخ عبد الکریم رئیس لال کرتی میرٹھ
حضرت سے ملنے کے لئے دیو بند آئے، مولانا
نے ان کو دور سے آتے ہوئے دیکھا، جب
وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے ساتھ
رخ دوسری جانب پھیر لیا، گویا دیکھا
ہی نہیں، وہ آکر ہاتھ باندھ کر کھڑے
ہو گئے، ان کے ہاتھ میں رومال میں بندھے
ہوئے بہت سے روپے تھے، جب انہیں
کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا، تو حضرت
مولانا نے ان کی طرف رخ کر کے فرمایا
کہ آہا شیخ صاحب ہیں! مزاج اچھا ہے؟
انہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے
اور روپیہ بندھا ہوا قدموں پر ڈال دیا،
حضرت نے اسے قدموں سے الگ کر دیا
تب انہوں نے ہاتھ باندھ کر منت
قبول فرما لینے کی درخواست کی، بالآخر بہت
سے انکار کے بعد انہوں نے تمام روپیہ حضرت
کی جوتیوں میں ڈال دیا، حضرت جب اٹھے
تو نہایت استغناء کے ساتھ جوتے
جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گیا
حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار
الحق سے ہنس کر فرمایا، کہ حافظ جی ہم بھی دنیا
کماتے ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ہم دنیا کو
ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے
اور یہ دنیا دار اس کے قدموں میں گرتے
ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے اور یہ
فرما کر روپیہ وہیں تقسیم کر دیا (ارواح ثلاثہ)
مگر اس زمانہ میں بھی پیسے رکھنے کا معمول ص۲۶۲
ایک دو کے سوا نہیں سنا، جو آمادہ خفیہ

امداد بہت کثرت سے ہوتی تھی، حتی کہ لینے
والے کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا
اور حضرت مدنی کے یہاں تو ایک چیز بہت
کثرت سے پیش آتی تھی جس کا مجھے بھی
کئی سفروں میں تجربہ ہوا، کہ حضرت نے
گرمی میں اگر کسی جگہ اچکن لٹکائی اور
تھوڑی دیر آرام کیا اور اچکن میں سے
کوئی صاحب تبرک سمجھ کر جو تھا نکال کر
لے گئے اور حضرت کو اس کی خبر بھی ہو گئی
کہ فلاں شخص آیا تھا اور حضرت کی جیب میں
سے پیسے نکال کر لے گیا، حضرت نے اپنا
سفر تو قرض سے پورا کیا اور اس شخص
کا نام بھی ظاہر کرنے سے منع کر دیا، ان
حضرات کی کس کس ادا کو ذکر کیا جائے
ہزاروں واقعات ان لا تعد ولا تحصیٰ
خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں"
کاش کہ ہم جیسے نالائقوں کو بھی اس
میں سے حصہ ملتا.....

بقیہ : مجلس ذکر

اور اس کی عبادت کے حق سے
احسن طریقہ پر عہدہ برآ ہونے
کی توفیق دے۔
وآخر دعوانا ان الحمد
للہ رب العالمین۔

اسلامی نظریاتی کونسل آزاد کشمیر اور اسلامک مشن برائے متحدہ عرب امارات کے فاضل رکن جناب مولانا محمد اسحاق خان علمی حلقوں کے لیے محتاج تعارف نہیں کئی کتابوں کے مصنف صاحبِ طرز ادیب اور محقق ہیں۔ مولانا نے موصوف آجکل حکومت سعودی عرب کی طرف سے تبلیغی مشن پر دوبئی میں مقیم ہیں۔
گزشتہ دنوں حکومت آزاد کشمیر نے ملازمت میں خواتین کی نمائندگی" کے متعلق مولانا محمد اسحاق خان صاحب سے ایک استفسار کیا تھا جس کے جواب میں زیر نظر بلند پایہ معلوماتی مقالہ آپ نے حوالۂ قرطاس کیا۔ قارئین "خدام الدین" لاہور کے استفادہ کے لیے شامل اشاعت کیا جا رہا ہے (ادارہ)
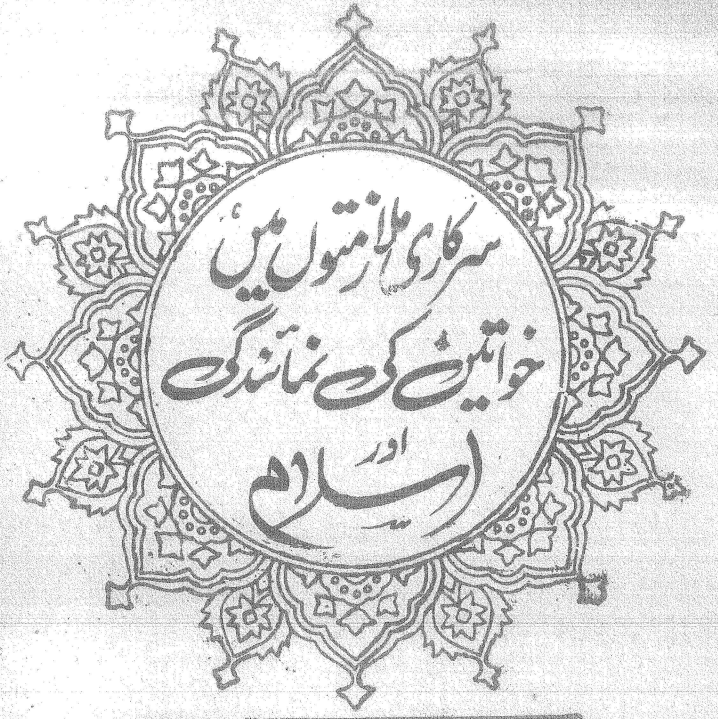
تحریر: مولانا محمد اسحاق خان

اگر غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس عالم ہست و بود میں دو چیزیں ہمیشہ بنیادی اہمیت کی حامل رہی ہیں۔ ان کی صحت و بگاڑ اور اصلاح و فساد کا اثر پورے انسانی معاشرے اور اسلامی دنیا کو متاثر کرتا رہا ہے۔ عالم کی بقاء اور اس کی تعمیر و ترقی اور صحت و سکون میں بنیادی حیثیت اور عموم کا درجہ رکھنے والی یہ دو چیزیں ہیں۔ عورتؔ اور دولتؔ۔ اگر ان دونوں کو ان کے صحیح مقام پر رکھا جائے تو سب کے لیے امن و سکون کا ذریعہ اور آرام و راحت کا سامان بن گئیں۔ اگر انہیں ان کے جائز اور صحیح مقام سے ہٹایا گیا تو سب کے لیے نکالؔ و وبال کا موجب بن گئیں، اس لیے ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کی اسی اہمیت و ضرورت، عظمت و خطورت کے پیشِ نظر انہیں ان کے اصلی اور صحیح مقام پہ رکھا جائے تاکہ یہ زحمت کی بجائے رحمت و راحت ثابت ہو سکیں اور ایک مسلم قوم و مسلم معاشرہ کے افراد ہونے کی حیثیت سے ہمیں ان کے مقام کا تعین قرآن و سنت کی نصوص طیبہ اور اسلام کی تعلیمات مقدسہ کی روشنی ہی میں کرنا ہوگا۔ کیونکہ اسلام نے ہی ان دونوں چیزوں کو ان کے صحیح اور اصلی مقام پر رکھا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ کسی کی حق تلفی ہے نہ دوسرے کے حقوق میں دست اندازی و تجاوز کی اجازت۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں میں سے جس چیز کو بھی اسلام کے مقرر کردہ مقام سے ذرّہ بھر ہٹایا اور سرکایا گیا تو وہ تباہ کن اور زلزلہ ثابت ہوئی۔ اس وقت چونکہ ان دونوں میں سے صرف ایک یعنی عورت کا مسئلہ درپیش ہے اس لیے اس وقت اسی سے متعلق مختصر گفتگو کی جاتی ہے۔

اسلام سے پہلے عورت کا درجہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آگے بڑھنے سے پہلے ذرہ اس پر بھی مختصراً کسی قدر روشنی ڈال دی جائے کہ اسلام سے پہلے عورت کا کیا حال تھا اور معاشرے میں اس کا کیا درجہ اور مقام تھا تاکہ اس کی مظلومیت کی تصویر کی جھلک کسی حد تک سامنے آسکے تو واضح رہے کہ اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورت کی حیثیت دنیا بھر کی اقوام کے نزدیک عام گھریلو سامان سے زیادہ کچھ نہ تھی اس کی چوپاؤں کی طرح خرید و فروخت ہوتی تھی اپنے رشتہ ازدواج میں اس کی مرضی اور رائے کا کوئی دخل نہیں تھا بلکہ والدین اُسے جس کے حوالے کر دیں اسے جانا پڑتا تا۔ چون و چرا کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ عورت کو اپنے رشتہ داروں کی وراثت میں کوئی حصہ نہ ملتا۔ بلکہ وہ خود گھریلو اشیاء کی طرح میراث سمجھی جاتی۔ اس کی کسی چیز

پر کوئی ملکیت نہ تھی بلکہ وہ خود خاوند کی ملکیت تصور کی جاتی اور گھر کی جن معمولی چیزوں پر اس کی ملکیت تسلیم بھی کی جاتی اس میں بھی اس بیچاری کا حال یہ تھا کہ خاوند کی اجازت و مرضی کے بغیر انہیں خرچ کرنے کا اسے حق و اختیار نہیں تھا اس کے برعکس اس کے خاوند کو کھلی چھٹی اور پوری آزادی تھی کہ جو چاہے اور جہاں چاہے خرچ کرے اور جیسا تصرف چاہے کرے اسے اس بارہ میں اس سے پوچھنے تک کا بھی کوئی حق نہ تھا کہ کہاں اور کیوں؟

مظلومیت کی انتہا

اور اس سے بڑھ کر مظلومیت کی انتہا یہ تھی کہ اسے انسان تک ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ اور یہ حال یورپ کے ان ممالک کا تھا جو آج بڑے متمدن کہے اور مانے جاتے ہیں۔ اور جو عورت کی آزادی و مساوات کا ڈھنڈورا بھی پورے زور سے پیٹتے ہیں چنانچہ روما کی بعض مجلسوں میں باہمی مشورے سے یہ طے کیا گیا تھا کہ عورت انسان نہیں بلکہ ایک ناپاک جانور ہے جس میں روح نہیں۔ اسی لیے عورت کے لیے دین اور مذہب میں کوئی حصہ نہ تھا۔ اسے عبادت کے لیے قابل نہ سمجھا جاتا تھا نہ جنت کے، اور یہ سب حقوق و مراعات مرد کے لیے مختص تصور کیے جاتے تھے۔ عام طور پر باپ کے لیے لڑکی کا قتل بلکہ اُسے زندہ درگور کرنا جائز سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ عمل باپ کے لیے عزت کی نشانی اور شرافت کا معیار تصور کیا جاتا تھا اور بعض کا یہ کہنا بھی تھا کہ اگر عورت کو کوئی قتل کر دے تو اس پر قصاص ہے نہ عورت کے لیے خوں بہا۔ اور اگر شوہر مر جاتا تو عورت کو بھی اس کی لاش کے ساتھ جلا کر ستی کر دیا جاتا عورت اس مظلومیت میں جی رہی تھی۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ولادت کے بعد اور آپ کی بعثت سے سے قبل ۵۸۶ء میں بڑے اختلافات کے بعد اور بڑی لے دے کر کے یہ قرارداد فرانس میں پاس کی گئی کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے اور بس (معارف القرآن جلد ۱، ص ۵۴۹) اسی طرح فرانس کی طرف سے عورت پر یہ کرم کیا گیا کہ اسے حیوانات سے نکال کر انسان تسلیم کیا گیا۔

اسلام کا احسان

الغرض نور اسلام کے طلوع سے قبل روئے زمین پر بسنے والی تمام اقوام اور ان میں پائے جانے والے جملہ مذاہب میں عورت کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جاتا تھا کہ اسے سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ صنف نازک اس بیچاری مخلوق کے لیے نہ کہیں عقل و دانش سے کام لیا جاتا، نہ عدل و انصاف سے، اور جب اسے انسان تک تسلیم نہ کیا جاتا ہو تو پھر کسی عدل و انصاف کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے۔ ظلم و ناانصافی کی ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جب نور اسلام نے فاران کی چوٹیوں سے طلوع کیا تو دنیا کی آنکھیں کھلیں، دین حق نے انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھایا۔ ہر انسان کو اس کا جائز مقام بخشا، عدل و انصاف کے پھریرے لہرائے اور ظلم و زیادتی کی جڑیں کاٹ کر رکھ دیں عورت کو نہ صرف انسان تسلیم کیا بلکہ اسے مرد کے حقوق کے برابر حقوق دیئے اسے آزادی اور خود مختاری کے شرف سے نوازا وہ اپنی جان و مال کی ایسی ہی مالک قرار پائی جیسے مرد، اسے گھر کی ملکہ قرار دیا۔ شادی بیاہ اور رشتہ ازدواجیت میں اس کی مرضی اور رائے کو بنیادی حیثیت دی گئی۔ کوئی بھی مرد عاقل بالغ عورت کا جبراً نکاح نہیں کر سکتا۔ یہانتک کہ اس کے باپ دادا کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بلوغ کے بعد زبردستی اس کا نکاح کرادیں اور اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح اگر کہیں کر بھی دیا جائے تو وہ اس کی مرضی اور منظوری کے تابع ہے اگر منظور نہ کرے تو وہ باطل قرار پائے گا وہ اپنے رشتہ داروں کی وراثت میں اپنا مقررہ حصہ حاصل کرنے کا اسی طرح حق رکھتی ہے جس طرح مرد۔ شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد وہ اپنی راہ متعین کرنے میں آزاد ہے اس پر کوئی جبر یا سختی کرنے کا کسی کو حق نہیں۔ دین اسلام میں اس پر خرچ کرنے کو عبادت قرار دیا گیا۔ اس کا شوہر اگر حقوق واجبہ ادا نہ کرے تو وہ اسلامی عدالت کے ذریعے اس سے حقوق یا پھر

طلاق حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے ظلم و ناانصافی کی ان گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اسلام نے عورت کو ان مساویانہ حقوق کا اس طرح اعلان فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ط وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (البقرہ آیت ۲۲۸، پ ۲)

اور عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے ان پر، البتہ مردوں کو ان پر فوقیت حاصل ہے۔ اور اللہ سب پر غالب اور حکمتوں والا ہے۔

اس مختصر مگر جامع ارشاد میں بتایا گیا کہ عورتوں کے حقوق و فرائض بھی اسی طرح ہیں جس طرح مردوں کے۔

معروف طریقے کا مطلب

معروف کا لفظ "عرف" سے ماخوذ و مشتق ہے جس کے معنی ہیں جاننا پہچاننا تو معروف کے معنی ہوں گے جانا پہچانا اسی لیے نیکی کو بھی معروف کہا جاتا ہے کہ وہ مومن کو طبعی طور پر بھی معلوم ہے اور شرعی طور پر بھی، اور گناہ و برائی کو "منکر" کہا جاتا ہے کہ وہ مومن کے لیے طبعی لحاظ سے بھی اور شرعی طور پر بھی اک اوپری اور انجانی شے ہے۔ اس اعتبار سے معروف کا لفظ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے کیونکہ اس میں شرعی اور قانونی طور پر ثابت شدہ احکام کے علاوہ دوسرے کئی ایسے امور بھی داخل ہو جائیں گے اور بھی اس کے دائرے میں آجائیں گے جو قانون کے احاطے میں نہیں آتے۔ مثلاً بے رخی اور بے التفاتی، ایسے افعال جو دل شکنی کا باعث بنیں یا ایسی حرکات جو موجبِ آزار ہوں وغیرہ، یہ ایسی چیزیں ہیں جو قانونی دفعات کے دائرے میں نہیں آتیں مگر "معروف" کے لفظ نے ان کا بھی احاطہ کر لیا۔ اس کی رُو سے خندہ پیشانی سے ملنا، بولنا، توجہ و اہتمام سے سننا سنانا، اور الفاظ و لہجہ تک کی درستگی و عمدگی میں بھی مردوں اور عورتوں کے حقوق و فرائض کے درمیان مساوات اور برابری کا لحاظ کیا جائے۔

مرد کی حاکمیت

مگر حقوق و فرائض اور مراعات میں مساوات و برابری کی اس تعلیم کے ساتھ ساتھ مرد کی حاکمیت و بالادستی بھی ضروری ہے اس لیے آیت کریمہ میں ساتھ ہی یہ اعلان بھی فرما دیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فوقیت اور بالادستی حاصل ہے۔ کیونکہ کسی کی حکومت و بالادستی اور سربراہی و سرپرستی کے بغیر نظام نہیں چل سکتا، اور ایک گھر اور خاندان معاشرے کی وہ پہلی اور بنیادی اینٹ ہے جس پر پورے معاشرے کی عمارت استوار ہوتی ہے اس بنیاد کی مضبوطی پوری عمارت کی مضبوطی کی ضامن اور اس کی کمزوری ساری عمارت کے لیے خطرہ، اسی لیے گھر اور خاندان میں ہر مرد کی حاکمیت لازمی اور ضروری امر ہے۔ اس کو قرآن پاک میں دوسری جگہ اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ط

سورۃ النساء، آیت ۳۴)

مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سے ایک کو دوسرے پر بزرگی بخشی ہے اور اس بنا پر کہ وہ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں میں سے۔

قَوَّام، قیّام اور قَیِّم اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی فرد، ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے کی ذمہ داری اٹھائے اس کی ضروریات کی تکمیل کرے اور اس کی حفاظت و نگہبانی کرے۔ اسی لیے اس کا ترجمہ عام طور پر حاکم کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ پھر اس آیت کریمہ میں مرد کی حاکمیت کی دو وجہیں اور بنائیں بیان فرمائی گئیں اول یہ کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے خلقی اور فطری طور پر کچھ ایسی خصوصیات اور قوتوں سے نوازا ہے جو صنفِ نازک (عورت) میں موجود نہیں جس کا منطقی نتیجہ اور طبعی تقاضا یہ ہے کہ مرد حاکم و نگہبان ہو اور عورت اس کی ماتحت اور زیر حکم جائے، اور دوسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ اخراجات کی تحصیل اور ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری بنیادی طور پر مرد پر ڈالی گئی ہے لہذا حکم و بالادستی کا حق اسی کو پہنچتا ہے اسی لیے نکاح مکمل ہو جانے کے بعد نکاح کی باگ ڈور خاوند کے ہاتھ میں رکھی گئی کہ چاہے وہ نکاح قائم رکھے یا ختم کر دے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ۔ (البقرہ: آیت ۲۳۷)

یا معاف کر دے وہ شخص جس کے ہاتھ میں ہے نکاح کی گرہ (یعنی خاوند)

کیونکہ اگر مرد کی حاکمیت و بالادستی کا یہ نظام نہ قائم کیا جائے تو فتنہ و فساد کا اک طوفان کھڑا ہو جائے۔

مرد کی حاکمیت و بالادستی کی حیثیت

ان آیاتِ کریمہ سے یہ تو واضح اور ثابت ہو گیا کہ مرد عورت پر حاکم و بالادست ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں اور ہرگز نہیں کہ اسے کوئی مطلق العنان ڈکٹیٹر بنا دیا گیا۔ اور عورت، کوئی اس کی غلام بن گئی بلکہ اس کا صحیح مفہوم اور اصل مدعا یہ ہے کہ معاشرتی زندگی اور خاندانی نظام میں میاں بیوی مشین کے دو پرزے اور ایک جسم کے دو حصے ہیں جس میں خاوند کا کام زیادہ اہم اور بنیادی نوعیت کا ہے جیسے پہیئے سے لے کر باڈی تک گاڑی کے کتنے ہی حصے اور اجزاء ہیں یکساں اور یکجا طور پر کام کرتے ہیں تو گاڑی حرکت کرتی اور لوگوں کے نفع اور فائدے کا ذریعہ بنتی ہے لیکن اس پوری کارکردگی میں انجن کا کردار مرکزی نوعیت کا اور سب سے اہم ہے یا خود انسانی جسم کو ہی لے لیجئے کہ اس میں ہاتھ پاؤں سے لے کر دل و دماغ تک سب ہی اعضاء و جوارح کام کرتے ہیں تو زندگی کی گاڑی چلتی ہے اور نظامِ حیات چلتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس کارکردگی میں دل و دماغ جیسے اعضاءِ رئیسہ کا کام ہاتھ پاؤں جیسے دوسرے کئی اعضاء سے کہیں بڑھ کر ہے تو اگر کوئی یوں کہے کہ مشین اور گاڑی میں انجن سب سے اہم اور قیمتی چیز ہے تو یہ بات نہ تو واقعہ کے خلاف ہے اور نہ اس میں دوسرے حصوں کی توہین ہوتی ہے اور نہ تنقیص کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے یا یوں کہا جائے کہ انسانی جسم میں سر افضل ہے اس کے ہاتھ پاؤں سے یا انسان کا دل افضل ہے اس کے معدے سے۔ تو اس میں حقیقتِ نفس الامری کا بیان ہے، نہ کسی عضو و حصہ کی کوئی تحقیر ملحوظ ہے نہ تذلیل، اسی طرح مرد کا عورت پر حاکم ہونا نہ اس کی تحقیر ہے نہ کسی طرح باعثِ تذلیل، بلکہ وہ دونوں آپس میں جسم کے مختلف اعضاء و جوارح کی طرح ہیں مرد سر ہے اور عورت اس کا دھڑ اور بدن، اور قرآن پاک نے سورۂ نساء کی اسی آیت نمبر ۳۴ میں اس حقیقت کی طرف فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے فطری اور جبلی طور پر ایک دوسرے پر یعنی مرد کو عورت پر قوت اور فوقیت بخشی ہے۔ اسی ارشاد میں مرد اور عورت کو آپس میں ایک دوسرے کا بعض اور ایک دوسرے کا حصہ قرار دیا گیا ہے اس لیے عورت کی کسی تحقیر کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اور بعض مفسرین نے اس کو اس طرف بھی اشارہ قرار دیا ہے کہ مردوں کی عورتوں پر فضیلت بحیثیت مجموعی اور جنس کے طور پر ہے اور مجموعی طور پر جنسِ مرد کو صنفِ نازک پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے، رہ گئے افراد اور اکاؤکا واقعات تو ان میں بہت ممکن ہے کہ کوئی عورت علمی اور عملی کمالات میں کسی مرد سے بڑھ جائے اور حاکمیت کی صف میں بھی مردوں سے فائق ہو جائے۔ (معارف القرآن جلد ۱ ص ۲۹۷)

دونوں میں تقسیم کار

مرد و عورت کے اسی فطری اور جبلی فرق کی بنا پر دونوں کے لیے کام کی ذمہ داریاں تقسیم کر دی گئی ہیں اور دونوں کے کام کو الگ الگ دوائر میں تقسیم کر دیا گیا ہے اور دونوں کی ڈیوٹیاں اور ذمہ داریاں بھی تقسیم کر دی گئیں اور ہر ایک کی صنفی خصوصیات دوسرے سے مختلف اور اسی تقسیم کار کی متقاضی ہیں۔ مثلاً عورت کو حیض (ماہواری) حمل، ولادت، رضاعت اور نفاس و استحاضہ وغیرہ وغیرہ کے جو عوارض لاحق ہوتے ہیں اور ایسے صنفی احوال سے جو واسطہ پڑتا ہے مرد کا نہ ان سے تعلق نہ احساس و ادراک اور بچوں کی پرورش و نگہداشت اور امور خانہ داری کا جو کام خاتونِ خانہ انجام دے سکتی ہے اور جس عمدگی اور بہتری سے انجام دے سکتی ہے وہ مرد کے بس کا روگ نہیں اور خاندان کی تربیت و نگہداشت اور امور خانہ داری کی بہتری اور عمدہ ساخت و پرداخت کی یہ عظیم اہم اور مقدس ذمہ داریاں سنبھالنے کے ساتھ ساتھ ایک خاتون کے

کے بس سے باہر ہے کہ وہ محنت مزدوری کرکے کما لانے کی ذمہ داریاں بھی اٹھائے اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرکے اپنی ضروریات کی تکمیل وتحصیل کا انتظام بھی خود کرے اور یہ سب کچھ اپنے ذمہ لے نہ وہ اپنی خلقت و فطرت میں اس کی متحمل ہے کہ وہ اپنے مصارف خود کما کر لائے اور نہ اس کے حالات ہی اس کے لیے سازگار ہیں کہ وہ محنت مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں، بازاروں اور منڈیوں یا مارکیٹوں میں چکر لگائے، اور مردوں کی طرح روزگار اور تلاشِ معاش کے لیے سرگرداں پھرے اس لیے حق تعالیٰ نے کمانے لانے اور خرچ اخراجات کی تمامتر ذمہ داری مردوں پر ڈال دی۔ پہلے اس کے والد کے ذمہ اور پھر شادی کے بعد اس کے خاوند کے ذمے۔ اس کے مقابلہ میں عورت اپنی گھریلو اور نسوانی ذمہ داریاں نبھائے اس لیے اس سے یہ بھی نہیں سمجھا جاسکتا کہ نفقات میں عورت کو مرد کا محتاج کرکے اس کا رتبہ کم کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ صرف تقسیم کار کے اصول پر مبنی باہمی ڈیوٹیوں کی تقسیم ہے اور بس۔ البتہ مختلف ڈیوٹیوں اور ذمہ داریوں کے درمیان جو باہمی فرق اور تفاضل ہوا کرتا ہے وہ یہاں بھی ہے اور یہ کوئی عیب نہیں۔

ستر وحجاب

بہرحال ان فطری تقاضوں اور جبلی فروق وتمیزات کی بنا پر عورت اور مرد کے دوائر کار کو الگ الگ حصوں میں بانٹ دیا گیا اور ایک دوسرے کی حدود میں ٹانگ اڑانے کا مطلب فطری تقاضوں سے جنگ اور فتنہ وفساد کی چنگاریاں بھڑکانے کے مترادف ہے جس کی عقل ونقل کسی جانب سے اجازت نہیں ہوسکتی اس کے علاوہ مسئلہ کا ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان قدرت نے طبعی اور جبلی طور پر باہمدگر ایک کشش رکھی ہے جس کا ہونا عالم کی بقا اور نسلِ انسانی کی افزائش کے لیے ضروری بھی ہے اس لیے اس فطری تقاضا اور طبعی غریزہ کی حفاظت وصیانت بھی ایک نہایت اہم اور ضروری امر ہے کیونکہ جہاں اس جبلی تقاضا کا اپنی حدود کے اندر رہنا عالم کی بقاء اور دنیا کے لیے رحمت کا باعث ہے وہاں اس کا اپنی حدود سے باہر ہوجانا اور اس کے نظام کا فساد مصیبت وعذاب کا موجب ہے اس لیے اسے اپنی حدود میں رکھنا اشد ضروری ہے۔ اس لیے اسلام نے ایسے تمام مفاسد کا دروازہ روکنے کے لیے ستر وحجاب کا حکم دیا ہے ستر سے مراد ہے "ننگیز" کا ڈھانپنا اور چھپانا اور یہ ہر حال میں ضروری ہے حتیٰ کہ اگر کوئی مرد یا عورت بالکل تنہائی میں جہاں دوسرا کوئی نہ ہو ستر کھولے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ ستر عورت ہر حال میں فرض ہے اور حجاب سے مراد ہے کہ غیر محرم مردوں کے سامنے بلا پردہ نہ جائے پھر پردہ کے بارہ بھی علماء کرام کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک عورت کا پورا جسم ہی پردے کی چیز ہے اس کا کوئی حصہ بھی دوسروں کے سامنے ننگا رکھنا درست نہیں جب کہ دوسروں کے نزدیک چہرہ اور ہتھیلیوں کے کھولنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کسی فتنہ وفساد کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور اگر فتنہ وفساد کا خوف ہو تو ان کے نزدیک بھی چہرہ اور ہتھیلیوں کو کھولنا جائز نہیں۔ پردہ کے اس شرعی حکم کے بارہ میں قرآن پاک کی سات آیتیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ستر حدیثیں موجود ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر معارف القرآن جلد ۷ ص ۲۱۳) اور سورۂ احزاب میں پردہ وحجاب کا یہ حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ "یہ حکم تمہارے لیے بھی پاکیزگی اور صفائی کا ذریعہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی" تو پھر اسلام کی مقدس تعلیمات کی روشنی میں بے حیائی کے ان مظاہر کی کوئی گنجائش کس طرح ہوسکتی ہے جنہیں ہم آج کے معاشرے میں یہاں وہاں ہر جگہ دیکھتے ہیں۔

بے پردگی کی ہر شکل پر پابندی

اور صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات نے تو بے پردگی کی ہر شکل کو ممنوع قرار دیا اور ہر اس منبع اور سوراخ کو بھی بند کر دینے کا حکم دیا۔ جہاں سے بے پردگی اور بے حیائی کسی بھی طرح پھوٹ سکتی ہو۔ مثلاً یہ کہ عورتوں کو

حکم دیا کہ گھر میں ہی ٹکی رہا کرو۔ اور بلا ضرورت شدیدہ اپنی چار دیواری سے باہر بھی نہ نکلو کہ اصل اور بنیادی پردہ یہی ہے اور جب کبھی باہر نکلنے کی ضرورت پڑے بھی تو بن ٹھن کر نہ نکلو کہ دوسروں کے خیالات میں ارتعاش پیدا نہ ہو۔ بلکہ مومن مردوں کو حکم دیا کہ اپنی نگاہیں بچا کر اور آنکھیں جھکا کر چلیں کہ کسی ناجائز جگہ پر نظر پڑنے ہی نہ پائے۔ اسی طرح مومن خواتین کو بھی حکم دیا کہ وہ اپنی نگاہیں بچا کر اور نظریں نیچی کر کے چلیں اپنی چھاتیوں پر اپنی چادروں کے سرے ڈال دیا کریں تاکہ یہ ان کی شرافت و عفت کی علامت ہو۔ کوئی ان سے چھیڑنے کی یا غلط خیال لانے کی جرأت بھی نہ کر سکے، اپنی ایڑیاں مارتی، چست و چاک لباس پہن کر نہ چلیں۔ جسم کا کوئی حصہ کسا اور تنا ہوا نظر نہ آئے۔ مٹک مٹک کر نہ چلیں۔ کسی مرد سے اگر پردے کے پیچھے سے ہو کر بھی کوئی بات کرنے اور کسی سوال کا جواب دینے کی ضرورت پڑے تو کھردرے انداز میں دو ٹوک جواب دیں اپنی فطری نزاکت اور طبعی کشش کا کسی قسم کا کوئی اظہار بھی اپنے الفاظ میں نہ ہونے دیں، جس سے کسی بیمار دل میں کوئی غلط خیال آسکے۔ تو شریعتِ اسلامیہ کی ایسی مقدس تعلیمات اور اس قسم کی پابندیوں اور احتیاطی تدابیر کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خواتین کے مردوں کے ساتھ بے محابا اختلاط اور میل جول کا سوال ہی کیا پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اس کی کیسے کوئی اجازت و گنجائش ہو سکتی ہے۔ کہ ایک خوبرو نوخیز خاتون غیر محرم مردوں کے ساتھ مل کر کام کرے۔ اور مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کے خوشنما الفاظ اور دلفریب نعروں سے دھوکہ دیا جائے بلکہ اس خلط ملط کے نتائج و ثمرات بُری سے بُری شکل میں سامنے آئیں گے اور آرہے ہیں۔ یہانتک کہ انارکی کی اس روش پر چلنے میں پہل اور پیش رفت کرنے والے مغربی معاشرے آج خود اس سے تنگ ہیں۔ اور حرامکاری اور اس کے تباہ کن اثرات سے ان بر خود غلط معاشروں کا شاید ہی کوئی حصہ آج محفوظ و سالم رہ سکا ہو تو پھر اسلام جیسی پاکیزہ اور ستھرے ماحول اور مقدس معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے۔ اس میں کیوں کر کوئی گنجائش و اجازت دی جا سکتی ہے۔ پس اسلامی معاشرہ اور اسلامی حکومت میں خواتین کی ملازمت سے متعلق ہماری رائے یہی ہے کہ اس کی اجازت صرف انہی محکموں اور انہی دوائر میں ہو سکتی ہے جن میں ان کے غیر محرم مردوں کے ساتھ اختلاط اور بے پردہ ہونے کی نوبت نہ آئے اور بس۔ اور جہاں ان کو مردوں کے ساتھ مل کر کام کرنا پڑے جہاں ان کا شرعی پردہ قائم نہ رہ سکے وہاں ان کی سروس جائز نہیں۔

آزادی یا بے راہ روی؟

عرب کا مشہور مقولہ ہے اَلْجَاهِلُ اِمَّا مُفْرِطٌ وَ اِمَّا مُفَرِّطٌ کہ جاہل شخص توسط و اعتدال کی اصل اور مطلوب روش پر کبھی نہیں چل سکتا بلکہ وہ یا تو افراط کے گڑھے میں گرتا ہے یا تفریط کی ہلاکت میں۔ کبھی کمی کرے گا تو کبھی زیادتی۔ وہ کبھی اس انتہا پر ہوتا ہے کبھی اس پر، کبھی اوجِ ثریا کی بات کرے گا اور کبھی قعرِ ارض پر سرمار رہا ہو گا۔ صنفِ نازک سے متعلق بھی یہی کچھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ ایک وہ دور اور وہ حال تھا کہ جب مغرب کی تہذیب و تمدن کی دعویدار ان قوموں سمیت دنیا بھر کی قومیں اس پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ رہی تھیں، عورت کو انسان تک تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے اس بارے میں کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈال آئے ہیں، یہانتک کہ اسلام نے آکر اس عاجز مخلوق کو مظلومیت سے چھڑایا اور قعرِ مذلت سے نکالا اور نہ صرف یہ کہ اسے انسان تسلیم کرایا بلکہ اسے مردوں کے برابر حقوق و مراعات کی سند عطا کی۔ یا پھر آج یہ دور اور یہ حال ہے کہ کل کے وہی ظالم عورت کو آج ہر قید اور ہر پابندی سے آزاد کر کے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور اس میں آج مغرب کی وہی اقوام آگے آگے ہیں جو کل اس پر اسی طرح ظلم و ستم کی مشق کر رہی تھیں۔ اصل میں عورت اس طرح بھی مظلوم تھی اور اس طرح بھی۔ ہوس پرست کل تک اس طرح اس سے اپنی ہوس پرستی کا سامان کر رہے تھے اور آج اس شکل میں۔ اصل میں یہ دونوں شکلیں ظلم و ناانصافی ہی کی دو شکلیں ہیں صحیح راہ اور اعتدال کا طریقہ وہ ہے جو اسلام نے متعین کیا اور اصل

حقوق وہ ہیں جو اسلام نے عورت کو عطا فرمائے اور پھر مغرب و مشرق کے یہ ہوس پرست عورت کو اپنی ہوس کا کھلونا بنانے کے لیے "آزادیٔ نسواں" جیسے خوشنما الفاظ اور پُرفریب نعروں سے کام لیتے ہیں۔ لیکن واضح رہے کہ یہ آزادی نہیں بلکہ انارکی اور بے راہ روی ہے جس کا مقصد اپنی ہوس کی تسکین کے لیے معاشرتی نظام کی صحیح بنیادوں کو سبوتاژ کرنا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجانا ہے کیونکہ آزادی کے وجود اور اس کے تحفظ کے لیے بھی کچھ حدود و قیود کا ہونا اشد ضروری ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو وہی آزادی جو ایک طرف آزادی دکھائی دے گی دوسروں کے حقوق کے لیے تباہی و بربادی ہوگی کیونکہ ایسی آزادی کا انجام و نتیجہ دوسروں کے حقوق میں مداخلت اور تعدی ہوگا جو کسی بھی طرح درست نہیں ہو سکتا اور پھر بحیثیت مسلمان ہماری آزادی تو ہر حال میں قرآن و سنت کی پابند ہے۔

بقیہ: احادیث الرسولؐ

قرآن نے ارشاد فرمایا۔ وہ اپنی ذات کے معاملہ میں عزیمت و مشقت کا ہر پہلو برداشت کر لیتے ہیں۔ لیکن امت کے لیے نمونہ بننے والی چیزوں میں یسر و سہولت پر آپؐ نے عمل فرمایا بلکہ دوسروں کو بھی یہی سبق دیا ارشاد نبویؐ ہے کہ دین یسر و سہولت کا نام ہے اور فرمایا کہ دین میں نرمی و آسانی برتو اور لوگوں کے ساتھ سختی کا رویّہ اختیار کر کے نفرت کی فضا پیدا نہ کرو۔ حضور علیہ السلام کا ساری ساری رات کا جاگنا، مسلسل روزے رکھنا، فاقوں پر فاقے، جہاد مسلسل اور دین اسلام کی راہ میں ہر سختی و تکلیف برداشت کرنا آپؐ کا عزیمانہ عمل تھا لیکن امت کے لیے سہولت اختیار فرمائی اور اسی کا حکم دیا۔

دوسری بات جو حدیث میں ہے وہ ہے کسی سے انتقام لینا۔ سیّدہ فرماتی ہیں کہ اپنے نفس کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ طائف کی مصیبت اور احد کی پریشانی سے بڑھ کر کوئی مصیبت اور پریشانی نہیں ہو سکتی لیکن آپؐ نے کبھی بددعا نہیں فرمائی اور فرمایا کہ میں بددعا کے لیے دنیا میں نہیں آیا میں تو سراپا رحمت ہوں اور یوں دعا فرمائی کہ اے اللہ! انہیں ہدایت دے لیکن یہی نبی جو ذاتی تکالیف کے معاملہ میں اس قدر حوصلہ و تحمل کا مظاہرہ فرماتے ہیں۔ جب حدود الٰہی کی پامالی کی بات ہوتی ہے تو سراپا غیظ و غضب بن جاتے ہیں مثلاً بنو مخزوم کی ایک مجرم عورت کے مقدمہ میں سفارش کرنے والے حضرات کو فرمایا کہ تمہاری یہ جرأت؟ واللہ العظیم میری بیٹی خدانخواستہ ایسا کرتی تو اسے بھی سزا ملتی۔ یا فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان ہوا لیکن بعض وہ مرد اور عورتیں جو شدید ترین دینی و قومی جرائم کا مرتکب ہوتی تھیں ان کے لیے فرمایا کہ اگر یہ کعبہ کے پردہ کے ساتھ لٹکے ہوئے بھی ملیں تو قتل کر دو۔ بعض یہودیوں کو آپؐ نے قتل کرایا اس لیے کہ ان کے جرائم بڑے سنگین تھے۔

یہی دین کی تعلیم ہے کہ ذات کی بات ہو تو برداشت کر لو۔ تعلیم نبویؐ ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے پہلوان وہ ہے جو غصہ کو پی لے۔ لیکن دین کی بات آئے تو آپؐ فرماتے ہیں کہ میں تم سب سے زیادہ غیرت مند ہوں اور میرے اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ دین کی عمارت کی بنیاد غیرت پر ہے ورنہ دین کی عمارت درہم برہم ہو جاتی ہے۔

مولانا عبدالشکور دین پوری کے عم محترم مولانا بشیر احمد صاحب کے سانحہ ارتحال پر ادارہ خدام الدین دعاگو ہیں اور لواحقین کے غم میں شریک!

ڈاکٹر سید عبداللہ

عجب آزاد مرد تھا!

اُس کہکشاں کے ایک درخشندہ ستارے کا تذکرہ جس نے وطنِ عزیز کو آزادی کی روشنی بخشی

کیسے پیارے لوگ، کیسے دن، کیسی کیسی رونقیں، گزرا ہوا زمانہ یوں بھی اچھا لگتا ہے مگر جس گذرے ہوئے زمانے کا ذکر میں کرنے لگا ہوں، وہ فی الواقع بہت اچھا تھا۔

۱۹۱۹ء کا برطانوی مارشل لاء گذر چکا تھا اور تحریک خلافت زوروں پر تھی۔ لاہور کے گلی کوچے وہ نعرۂ تکبیر! اللہ اکبر!" سے گونج رہے تھے، آزادی کا مطالبہ کرنے والے مُسلم اور غیر مسلم رضا کار، حریت کے ترانے برلب شہر کے ہر ہر محلے میں نصف شب تک گھوم گھوم کر، فرنگی راج کے خلاف جذبوں کو منتقل کرتے رہتے تھے، سحر صبح کی نماز کے بعد لاہور کی بہت سی مسجدوں میں درس قرآن ہوتا اور دین دار لوگ جوق در جوق اس چشمۂ شیریں سے سیراب اور شادکام ہونے کے لئے نکل کھڑے ہوتے

درس تو سبھی اچھے تھے مگر ایک درس بہت نمایاں اور بہت مقبول و منفرد تھا، وہ تھا مولانا احمد علی کا درس، لائن سبحان خان والی شیرانوالہ دروازہ کے اندر ایک چھوٹی سی مسجد (جو اب وسیع ہو گئی ہے) بزرگ موصوف و مرحوم، جو مجلس پنجاب خلافت کے صدر بھی تھے اور مولانا عبید اللہ سندھی کے فیض یاب، صبح کی نماز کے فوراً بعد ڈیڑھ دو گھنٹے تک قرآن مجید کے ولولہ انگیز پیغام کو دیگر حقائق و معارف میں لپیٹ کر اس طرح پیش کرتے کہ ہر ہر دل میں انقلاب بپا کرنے کا شعلہ بھڑک اُٹھتا،

میں کم عمر تھا — تیرہ چودہ برس کا — مگر میرے چچا (اس زمانے کے طریق تربیت کے مطابق) مجھے بھی حکماً اپنے ہمراہ لیجاتے اور مجلس درس میں بٹھاتے

اس ماحول میں چند دنوں کے اندر اندر مَیں نسبتاً اپنی عمر کے چند چھوٹے بڑے ہمسروں سے متعارف ہو گیا، ان میں ایک خواجہ عبد الوحید بھی تھے، اُس زمانے میں ساتھی تو کچھ اور بھی ملے جو بعد میں جماعتِ احباب بن کر ایک فعال گروہ کی صورت اختیار کر گئے، مگر ان میں سب سے زیادہ نمایاں شخصیت خواجہ عبد الوحید کی تھی، جن کی قابلیتیں اعلیٰ اور کردار ممتاز اور جاذبِ توجہ تھا، جس کے باعث وہ خود، اپنے احباب کے محبوب ترین شخص اور ان کا گھر ان کی اور ان کی جماعت کی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا،

اس ابتدائی زمانے میں وہ شہر لاہور کے اندر محلہ سوتر منڈی میں اپنے والدین کے ساتھ رہا کرتے تھے یہ ایک طرح سے ان کا خاندانی گھر تھا — یعنی اس خاندان کا گھر جو اس وقت کے لاہور کا اعلیٰ خاندان تھا، ان کے چچا، تایا سارے ہی قابل لوگ تھے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ خواجہ کریم بخش کی اولاد - یعنی خواجہ وحید اور ان کے بھائی — اپنے اپنے دائرے میں خاص قابلیتوں اور غیر معمولی صلاحیتوں سے متصف ہوئے،

سوتر منڈی کے مکان سے منتقل ہو جانے کے بعد خواجہ صاحب کی رہائش بدلتی رہی تا آنکہ اقبال روڈ (تب مئو روڈ) کے محلہ محمد نگر میں اپنا ذاتی مکان خرید لیا، خواجہ صاحب جہاں جہاں رہے احباب کی جماعت کا مرکز بھی وہیں قائم ہو جاتا رہا

بیچ بیچ میں یہ مجلسِ احباب شہر کے معروف اور غیر معروف ہوٹلوں میں ہنگامہ

ادا ہونے لگی، نظیوری کا چائے خانہ، عرب ہوٹل
نگینہ بیکری وغیرہ، یہ آخری مقام انارکلی کے چوک
میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے سامنے ہے
اس بیکری کو اس زمانے میں بڑی شہرت حاصل
ہوئی، اس میں کم وبیش پندرہ برس خواجہ
صاحب کی مجلس احباب کے علاوہ، باری
علیگ، مولانا صلاح الدین احمد، عاشق بٹالوی
مولانا علم الدین سالک، گوپال متّل، دیوان
چند شرما اور متعدد دوسرے ادیب، اور
سیاست پسند صحافی سرِشام جمع ہوتے
اور رات گئے تک ہر ادبی وسیاسی موضوع
پر ہنگامہ آرا رہتے،

پھر واقعات وحوادث کے زیر اثر یہ
محفل منتشر ہوگئی، خواجہ صاحب کراچی منتقل
ہوگئے، اور مجلس درہم برہم شد

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

لاہور سے کراچی منتقل ہو جانے کے بعد کے
واقعات پر میرا کچھ لکھنا بے محل ہوگا، کہانی
کا یہ حصہ خواجہ مشفق خود ہی تحریر فرمائیں تو بہتر
ہوگا، میرے لئے مناسب تر بات یہ ہوگی
کہ میں مرحوم کی سرگرمیوں اور ان کی خدمات
واوصاف کا کچھ تذکرہ کروں کیونکہ میرے
نزدیک ان کی سرگرمیوں اور ہنگامہ آرائیوں
نے شہر لاہور کی ثقافتی اور علمی وادبی زندگی
پر خاصا اثر ڈالا اور اس وقت کے نوجوانوں
کی ذہنی تشکیل میں قابل اعتنا حصہ لیا،
شاید اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں
کہ خواجہ صاحب اور ان کے احباب مجلس
خلافت اور مجلس احرار کے بزرگوں سے
بے حد متاثر تھے اور ہر کسی کو معلوم ہے
کہ مذکورہ جماعتیں چند خاص میلانات کی
علمبردار تھیں، فرنگی کی مخالفت تو ان کے
نزدیک مذہب کا درجہ رکھتی تھی، لیکن ان جماعتوں
کے لوگ جمود، مصلحت کوشی اور زندگی
کے عمل میں سست روی (اور محض شکوہ
وشکایت جو لازمی ذہن کا خاصہ ہوتا ہے)
جیسے میلانات کے سخت مخالف تھے،
وہ مسلسل عمل، احتجاج اور حصول بذریعہ
مزاحمت ومقاومت کے قائل تھے

خواجہ صاحب اور ان کے احباب بھی
یہی میلان رکھتے تھے، وہ جب یہ دیکھتے
تھے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے میں بعض
محرومیوں کے بارے میں شکوہ وشکایت
تو عام ہے لیکن ان محرومیوں کے ازالے
کے لئے کوئی منظم جدوجہد نہیں ہوتی
سرگرمی عمل سے ہر کوئی دور رہتا ہے تو
انہیں بار بار محسوس ہوتا تھا کہ سیاسی
نہ سہی، علمی، معاشرتی اور ثقافتی شعبوں
میں مسلمانوں کو بھی زوردار پلیٹ فارم
قائم کرنے چاہئیں اور محض مصلحت
پسندانہ شکوہ وشکایت بے سود ہے
میں جس زمانے کا ذکر کر رہا ہوں اس
زمانے میں وائی ایم سی کے علاوہ شہر میں
ہندوؤں کی بھی کئی جماعتیں ثقافتی و
مجلسی کاموں میں مصروف کار تھیں
مگر مسلمانوں کی کوئی جماعت سرگرم تو کجا
موجود ہی نہیں تھی"

اس کمی کو محسوس کر کے خواجہ صاحب نے
اپنے احباب کی تائید سے ایک سرگرم اور
فعال پلیٹ فارم مہیا کیا جس کی تنظیم کے
کے لئے انہوں نے اسلامک ریسرچ انسٹی
ٹیوٹ کے نام سے ایک مجلس قائم کی
اس مجلس کے پروگرام میں علمی، ادبی، لیکچر
بھی شامل تھے اور اسلامی دنیا سے آنے والے
مشاہیر کا استقبال بھی ان کے لائحہ عمل کا
حصہ تھا، چنانچہ خالدہ ادیب، خانم، رؤف
پاشا، اور پروفیسر جرمانوس کے لئے خصوصی
انتظامات کئے گئے، آل انڈیا اورینٹل کانفرنس
کے اجلاس لاہور کے موقع پر مسلم مندوبین
کے لئے ضیافت کا انتظام کیا گیا،

علمی ادبی پروگرام میں انسٹی ٹیوٹ کا ممتاز ترین
کارنامہ سب سے پہلے یوم اقبال کا انعقاد
تھا، بعض اور جماعتیں بھی اولیت کی مدعی ہیں
لیکن ان کا دعویٰ درست نہیں، پہلا یوم
اقبال خواجہ عبدالوحید ہی کی کوششوں سے
ہوا، ایام ادبی کا سلسلہ اور بھی بڑھایا گیا،
چنانچہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے
زیر اہتمام یوم شبلی اور یوم غالب بھی منائے
گئے، عام لیکچروں کی فہرست اس وقت
مجھے یاد نہیں، صرف ڈاکٹر موہن سنگھ
کا مقالہ حسرت موہانی پر مجھے یاد ہے،
اتحاد عالم اسلام (پان اسلامزم) پر ایک
مقالہ میں نے بھی پڑھا تھا

خواجہ صاحب کی مجلس احباب کی عقیدت کے
کے دو بڑے مرکز تھے، ایک تو مولانا احمد علی
لاہوری اور دوسرے علامہ اقبال، ان دونوں
بزرگوں سے اکثر ملاقات ہوتی اور مشورے
لئے جاتے اور خواجہ صاحب نے مولانا لاہوری
کی انجمن خدام الدین میں بڑی خدمات انجام
دیں، اس انجمن سے ایک انگریزی ہفتہ وار
نکلوایا جس کی ادارت انہی کے ہاتھ میں
تھی"

غرض خواجہ صاحب کی کوششوں سے لاہور کے

مسلم نوجوانوں کے لئے ایک ادبی ثقافتی پلیٹ فارم مہیا ہوا جس نے بیک وقت ایک اہم ضرورت پوری کی،

یہ تو تھی علمی ادبی سرگذشت، خواجہ صاحب کی جماعت احباب نیم سیاسی معاشرتی محاذ پر بھی سرگرم عمل رہی، جب شدھی اور سنگھٹن جیسی جارحانہ ہندو تحریکیں زور پکڑنے لگیں اور توہین رسول کی شر انگیز مہم شروع کردی گئی، تو خواجہ صاحب نے ایک سرفروشن خفیہ جماعت قائم کی اس کا نام سلطنة الاخوان تھا، اس کی تاسیس کے لئے مقبرہ جہانگیر سے ملحق مسجد میں سترہ افراد کا ایک اجتماع رات کے بارہ بجے ہوا جس میں ایک حلف نامہ مرتب ہوا جس پر حاضرین میں سے ہر شخص نے اپنے خون سے دستخط کئے،،

حلف نامہ کا مضمون یہ تھا کہ توہین رسول کو ہرگز برداشت نہ کیا جائیگا، یہاں تک کہ اپنا خون پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کرونگا لیکن اس حلف نامے کی ایک خاص بات یہ تھی کہ کسی اقدام سے پہلے افہام کو ضروری قرار دیا گیا تھا،

خواجہ صاحب ایک روزنامچہ لکھا کرتے تھے اس کا نام یاد ایام تھا، ان کے احباب میں سے اکثر دوسرے بھی اپنے اپنے روزنامچے مرتب کرتے تھے، میرا بھی ایک روزنامچہ تھا، جس کا نام سفرنامہ لیل و نہار تھا، مگر میں نے بعد میں اسے بوجوہ ضائع کردیا تھا

خواجہ صاحب زود نویس اور بسیار نویس شخص تھے، کبھی کبھی شاعری بھی کرلیتے تھے اور کم ازکم دو تین افسانوں کا بھی مجھے علم ہے مطالعہ کتب کے معاملہ میں مَیں نے ان سے زیادہ پڑھنے والا کوئی شخص نہیں دیکھا تازہ ترین کتابوں کے شائق تھے اور اس معاملے میں کسی موضوع کے پابند نہ تھے، بلکہ ان کے خاندان کے اکثر لوگ متنوع قاموسی ذہن کے ہیں، کئی کئی جلدوں والی کتابوں کو پڑھ جاتے اور ان پر سرخ اور سبز پنسلوں سے نشان لگاتے، سبز نشان ان عبارتوں پر لگاتے جن میں اسلامی اقدار و حمایت کی یا مغرب کی فاسد اقدار کی مخالفت کے پہلو نکلتے تھے اور سرخ نشانات ان عبارتوں پر لگتے تھے جن میں مغرب کی مضحکہ خیز اور قابل نفرت باتیں ہوتی تھیں،،

وہ جدھر بھی جاتے تھے اپنی کتابیں اور فائل اپنے ہمراہ اپنی بائیسکل پر لاد کر لیجاتے تھے، اور کبھی کبھی ان کتابوں کے نشان زدہ اقتباسات احباب کو سناتے تھے، انہیں احباب چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا کہا کرتے

خواجہ صاحب کے شخصی اوصاف میں چار باتوں کو خاص اہمیت حاصل تھی (۱) مستعدی و جانفشانی، (۲) غیرت قومی او حمیت دینی، (۳) ذاتی زود احساسی (۴) نظم و ترتیب، سلیقہ اور صفائی و پاکیزگی، ان میں سے ہر ایک پہلو کے بارے میں واقعات پیش کئے جاسکتے ہیں لیکن اجمال مانع ہے، انہوں نے زندگی میں خاصا کچھ لکھا، بلکہ آخری وقت تک انگریزی اور اردو میں لکھتے رہے لیکن سب سے زیادہ کارآمد اور مقبول تالیف ،،کتابیات اقبال،، مرتب کی جس سے مشرق و مغرب کے علماء نے یکساں استفادہ کیا، انگریزی کے مضامین میں مسلم حکمائے کبار کے کارناموں کو پیش کرتے رہے اگر ان مضامین کو مرتب کرلیا جائے تو ایک پُر از معلومات کتاب بن سکتی ہے ـــ

ـــ ان مضامین میں سے جو انہوں نے اپنے ہی ہفتہ وار پرچوں میں لکھے اسلامی موضوعات پر عمدہ کتابیں بن سکتی ہیں،،

خواجہ عبدالوحید کو اگر شعلہ متحرک، یا آندھی، یا طوفان کہہ دیا جائے تو ناموزوں،، نہ ہوگا، وہ اپنے زمانے کے نوادر میں سے تھے، سراپا ہنگامہ، سراپا سعی مسلسل، رواں دواں، پیکر علم و عمل، انجمن پسند اور اپنی ذات میں خود ایک انجمن، آخری عمر میں گھٹنوں کی تکلیف نے لاچار کردیا تھا، مگر مجلسوں میں پھر بھی دیکھے جاتے تھے، اب آسودہ خاک ہیں،،

؎ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا،،

---

[1] مشفق خواجہ، خواجہ عبدالوحید صاحب

باپ کا خط بیٹی کے نام

مولانا سید حبیب الحسن قادری وکیل ہائی کورٹ بھوپال

اے راحت جان!

آخر آج وہ دن آگیا۔ جس کا مدت سے انتظار تھا والدین کے لئے اس سے بڑھ کر المناک، درد انگیز، ضبط وتحمل کے آزمائش میں ڈالنے والا کوئی واقعہ نہیں ہوسکتا۔ کہ وہ اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو پالیں اور جوان کرکے دوسرے کے حوالے کردیں؛

لیکن اے دنیا جہان کی نازوں کی پالی لڑکیو! کیا ماں باپ اس بارہ میں آزاد اور مختار ہیں؟

کیا ان کے بس اور قابو میں ہے کہ ایسا نہ کریں، افسوس ہے کہ ایسا نہیں، وہ مجبور ہیں، کہ جب کوئی لڑکی سن شعور کو پہنچ جائے، تو کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر اس کا داغِ مفارقت برداشت کریں

جن لوگوں کو اللہ پاک نے بیٹے اور بیٹیاں زیادہ تعداد میں دی ہیں ان کی نسبت تو گمان کیا جاسکتا ہے کہ بیٹوں کی موجودگی میں بیٹی کی پرواہ کم ہوگی، بیٹوں کی دلہنیں لاکر وہ اپنے گھر کو آباد کرسکتے ہیں، مگر جن لوگوں کے گھر میں صرف ایک ہی لڑکی ہے وہی اکلوتی اس گھر کی رونق وہی ماں باپ کے مشترکہ جذبات محبت کی مرکز وہی ان کی دھن، دولت، جائداد، املاک کی واحد مالک و وارث! ایسی بیٹی کے والدین بھی تو آخر بیٹی کو نہیں رکھ سکتے

کم معاش والے ماں باپ کے متعلق یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ بیٹی کے مصارف برداشت نہیں کرسکتے، اس لئے اس کو اپنے گھر سے رخصت کرکے اپنے سر کا بوجھ ٹالتے ہیں، مگر جن کو خدا نے ثروت، دولت، سے مالا مال کیا ہے وہ کیوں ایسا کرتے ہیں، کوئی بادشاہ کوئی دولتمند تاجر، کیا ایسا بتایا جاسکتا ہے جس نے اپنی بیٹی کا بیاہ نہ کیا ہو جس نے اپنے دل کی ٹھنڈک اور آنکھوں کے نور کو دوسرے کی کنیزی میں نہ دیا ہو،

اس سے پایا جاتا ہے کہ ؎

مجبور سب ہیں لختِ جگر کے وداع پر\
سلطانِ وقت ان میں یا ہو کوئی گدا

پھر اس میں کسی ملک، کسی تہذیب، کسی ملت کی قید نہیں، کرۂ ارض پر جہاں جہاں نوعِ انسان پائی جاتی ہے خواہ ان کا مذہب و مشرب کچھ ہو سب اس قاعدے کے پابند، اس رسم پر عمل کرتے پائے جاتے ہیں کہ ادھر ان کی لڑکیاں جوان ہوئیں ادھر انہوں نے ان کے لئے سسرال کا ناطہ جوڑا،

اسلام نے اصلاح معاشرت انسانی کے نظام پر جب توجہ کی تو کائنات ارضی میں اشرف مخلوقات میں یہ نصف آبادی ایسی ناپرسانی اور کسمپرسی کی حالت میں پائی کہ آج بھی اس کا تصور کرنے سے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ غضب خدا کا کہ معابد و منادر میں اس کو نہ آنے دیتے تھے گویا عورت کو اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت کی بھی اجازت نہ تھی

قیامت تھی کہ ماں باپ کی متروکہ جائداد میں بیٹی کا کوئی حصہ نہ تھا، نفرت و اکراہ کی انتہا تھی کہ شیطان کی آلۂ کار، سانپ کی پھنکار کے نام سے وہ پکاری جاتی تھی بعض مذاہب و ممالک میں تو عورت میں روح کے وجود ہی سے انکار کیا جاتا تھا عرب و ہند میں تو یہ بے گناہ ہستیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں

عورت قعر مذلت میں تھی، اسلام نے اسکو اوج رفعت پر پہونچادیا، کس طرح اور کیونکر، تفصیل کا تو موقع نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ

اسلام نے سب سے پہلے لڑکیوں کے قتل کو

روکا اور اس فعل کو ایک سخت گناہ ٹھہرایا
ولا تقتلوا اولادکم اپنی اولاد کو قتل نہ کرو
ان قتلھم کان خطأً کبیراً ان کا
قتل سخت گناہ ہے، پھر عورت کی دینی
حیثیت واضح کی، مرد جو نجات اور مغفرت
کا اپنے کو ٹھیکیدار سمجھے بیٹھے تھے ان کی
آنکھیں کھولنے کے لئے ارشاد فرمایا:
"۱" اے گروہ انسانی ہم نے تمہاری تخلیق
ہی مرد عورت کے اشتراک سے کی
ہے اور یہ جو گھرانے اور قبیلوں کی تقسیم
ہے یہ تو محض ذریعہ شناخت ہے
اللہ کے نزدیک تم میں سے (مرد ہو یا عورت)
وہ قابل عزت ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو
اور تحقیق اللہ پاک ہی علم و خبر رکھتا ہے
کہ کون زیادہ پرہیزگار ہے"
۲، اور جس نے نیک عمل کئے خواہ مرد ہو
یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو
اسکی زندگی بھی پاک زندگی ہوگی،
اور اس کے اعمال کا عوض بھی اس
کو اچھا دیا جائیگا"
یوں دینی حیثیت سے عورتوں کو مردوں کے
دوش بدوش کرکے اصلاح معاشرت اور
عمرانی ارتقاء کے لحاظ سے عورت کی تین
حیثیتیں قائم کیں"
لڑکی - بی بی، ماں،
جب تک عورت ماں باپ کے زیر سایہ
رہتی اور میکے سے اس کا تعلق رہتا ہے،
لڑکی ہے،
جب وہ سن شعور کو پہونچی، دنیا کے
دستور کے مطابق اس کا ہاتھ کسی مرد کے
ہاتھ میں دیدیا گیا اور وہ میکے سے رخصت
ہوکر سسرال پہونچی بی بی بنی، اور
جب خدا نے اس کو اولاد جیسی نعمت سے
نوازا ماں کہلائی،

عورت کی پہلی حیثیت

"لڑکی"

یہ عام تاثرات تھے کہ لڑکی کی ولادت
کی اطلاع ہی سے ماں باپ کے چہروں
پر سیاہی دوڑ جاتی تھی اور ان کے دل
محزون و مغموم ہوجاتے تھے"
"اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی
ولادت کی خوشخبری دی جاتی ہے
تو اس کا چہرہ تاریک ہوجاتا ہے اور
وہ مغموم ہوجاتا ہے"
اسلام نے ان جذبات کو سخت ناپسند کیا
اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس کسی نے لڑکی
کی اچھی طرح پرورش کی اس نے خدا کی
رضامندی حاصل کرلی اور جنت کا حقدار
ہوگیا"
جان و دل سے کرتے ہیں لڑکی کی پرورش
جنت میں گھر بناتے ہیں وہ اپنا لا کلام
لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی پاسداری
کم کی جاتی تھی، ارشاد ہوا کہ جب لڑکے
اور لڑکی میں تحائف تقسیم کیا کرو تو اس
کی ابتداء لڑکی سے کرو،
والدین کی متروکہ جائداد میں لڑکی کا حصہ
مقرر کردیا،
بعض نادان یہ کہدیتے ہیں کہ لڑکے کے
مقابلہ میں لڑکی کا نصف حصہ مقرر کرنے
میں اسلام نے لڑکی کی حق تلفی کی،
لطف یہ ہے کہ ایسا اعتراض ان لوگوں
کی جانب سے کیا جاتا ہے جو لڑکی کو کچھ بھی
نہیں دیتے۔ اس کی شخصیت اور نام تک
غصب کرلیتے ہیں،
یہ صحیح ہے کہ بھائی کے مقابلہ میں بہن کا حصہ
نصف رکھا گیا ہے مگر وہ بھائی سے جدا ہوتے
ہی ایک معتد بہ رقم (مہر) کی واحد مالک ہوکر
سسرال جاتی ہے اور وہاں شوہر کی جائداد
میں بھی حسب حالات ۱/۴ یا ۱/۸ حصہ کی حقدار
ہوجاتی ہے، ان حالات میں وہ بھائی سے
کسی طرح خسارے میں نہیں رہتی، پھر ان
مصالح پر نظر ڈالی جائے کہ کیوں بھائی کو
بہن سے دوگنا حصہ شریعت نے دلایا ہے
تو ذرا غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی
ہے کہ بھائی کے ذمہ بی بی کے مہر کے علاوہ
بی بی اور بچوں کی کفالت بھی ہے،
اور بہن اور اس کے بچوں کے نفقہ کا
ذمہ دار علاوہ رقم مہر کے دوسرا کوئی مرد
ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے جو کچھ اس
کو دلایا ہے وہ کہنے کے لئے تو آدھا ہے مگر
حقیقت میں بھائی سے کہیں زیادہ ہے
غرض مسلمانوں میں جب تک لڑکی اپنے
والدین کے زیر حمایت بسر کرتی رہتی ہے اسکی
خاطرداری، راحت رسانی، عزت و تکریم
پر ہر پرستار توحید و پیروئے شریعت اسلام
مجبور اور مکلف ہے،
اور اس کا تجربہ تم خود اپنی اور اپنی بعض
بے تکلف سہیلیوں کے حالات زندگی سے
کرسکتی ہو کہ ان کے ساتھ تمہارے والدین اور
بھائیوں کا کیا سلوک رہا ہے،
اس سے عام مسلمانوں کی بچیوں کے متعلق
قیاس کیا جاسکتا ہے

بادۂ شیراز در جامِ اردو

ز باغِ وصلِ تو یابد ریاضِ رضواں آب
ز تابِ ہجرِ تو دارد شرارِ دوزخ تاب

بہ حُسنِ عارض و قدِ تو بردہ اند پناہ
بہشت و طوبیٰ طوبیٰ لہم و حُسنِ مآب

چو چشمِ من ہمہ شب جوئبارِ باغِ بہشت
خیالِ نرگسِ مست تو بیند اندر خواب

بہارِ شرحِ جمالِ تو دادہ در ہر فصل
بہشتِ ذکرِ جمیلِ تو کردہ در ہر باب

لب و دہانِ ترا اے بسا حقوقِ نمک
کہ ہست بر جگرِ ریش و سینہائے کباب

بسوخت ایں دلِ خام و بکامِ دل نرسید
بکام اگر برسیدی نریختی خوناب

بدورِ چشمِ تو تنہا نہ عاشقاں مستند
خبر نداری ز احوالِ زاہدانِ خراب

مرا بدورِ لبت شد یقیں کہ جوہرِ لعل
پدید می شود از آفتابِ عالمتاب

مہل کہ عمر بہ بیہودہ بگذرد حافظ
بکوش و حاصلِ عمرِ عزیز را دریاب

لسان الغیب خواجہ حافظ شیرازیؒ

تمہارا وصل ہے فردوس آفریں اے دوست!
تمہارا ہجر جہنم سے کم نہیں اے دوست!

تمہارے عارض و قد میں پناہ ملی ان کو
بہشت و طوبیٰ میسر ہوا یہیں اے دوست!

مری نگاہ کے مانندِ رودِ کوثر کو
کسی کا خیال تمہارے سوا نہیں اے دوست!

ہے تیرے حسن کے جلووں کا نام موسمِ گُل
ہے تیرا ذکر جہاں خُلد ہے وہیں اے دوست!

جہاں بھی زخمی جگر اور سوختہ دل ہیں
ہے تیرے ہونٹوں کا حق نمک وہیں اے دوست!

یہ دل جلا تو مگر کامیاب ہو نہ سکا
لہو سے دل کے ہوتی سُرخ گو زمیں اے دوست!

تری نگاہ سے عاشق تو مست ہیں ساقی
یہ زاہدوں کی تجھے بھی خبر نہیں اے دوست!

ترے ہی لب سے مجھے یہ یقیں ہوا حاصل
ہے آفتاب یہی لعل آفریں اے دوست!

تمام عمر تو حافظ کی کٹ گئی بیکار!!
تلاش کر کہ کوئی پھل ملے کہیں اے دوست!

تلمیذ خواجہ شیراز حکیم آزاد شیرازی

علیہ وسلم ! ہم سب کے پاس اتنا سامان نہیں کہ ہم روزہ دار کو روزہ افطار کرائیں۔ آپ نے فرمایا۔ خداوند تعالیٰ اس شخص کو بھی یہ ثواب عطا فرماتا ہے جو لسی یا پانی کے ایک گھونٹ یا ایک کھجور سے کسی کا روزہ افطار کرائے اور جو شخص روزہ دار کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اس کو اللہ میرے حوض سے ایسا سیراب کرے گا کہ پھر کبھی اس کو پیاس نہ لگے گی یہاں تک کہ جنت میں چلا جائے۔

یہ مہینہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کے شروع میں رحمت درمیان میں مغفرت اور آخر میں دوزخ سے نجات ہے اور جس کسی نے اس مہینہ میں اپنے روزہ دار غلام (ملازم) سے تھوڑا کام لیا اور مشقت میں تخفیف کر دی تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشتا ہے اور دوزخ سے نجات دیتا ہے "

حضور علیہ السلام کے اس طویل استقبالی خطبے سے رمضان المبارک کی برکات اور اس کی اہمیت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اس مہینہ میں اپنی رحمت و برکت سے نوازیں۔ اور ہمیں رمضان المبارک کے احترام کی توفیق نصیب فرمائیں۔ وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُھَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ط

"کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد"

گوجرانوالہ شہر کے قریب ترین عظیم الشان رہائشی منصوبہ

اجمل ٹاؤن

محل وقوع :- برلب بائی پاس روڈ نزد شہرہ سانسی، نزد اعوان چوک گوجرانوالہ

۴ ۱/۲ مرلے

۹ مرلے

۱۸ مرلے

کے رہائشی و کمرشل پلاٹس

خصوصیات: کشادہ سڑکیں، بجلی، بوائے اینڈ گرلز سکول، مسجد، پٹرول پمپ، پارک، ۲۴ گھنٹے ٹرانسپورٹ کی سہولت

طریقہ حصول پلاٹ وادائیگی

کل قیمت کا ۱/۳ حصہ بطور بیعانہ ادا کر کے قبضہ حاصل کریں۔ باقی ۲/۳ حصہ اندر ۳ ماہ بمعہ خرچہ رجسٹری ادا کر کے رجسٹری حاصل کریں۔

قیمت

۱۵۰۰/- روپے تا ۲۵۰۰ روپے فی مرلہ

نوٹ: سائٹ آفس روزانہ ۷ ۱/۲ صبح تا ۱/۲ ۶ بجے شام کھلا رہتا ہے۔

رابطہ کے لئے

۱- محمد انور صدیق، حاجی محمد بشیر سائٹ آفس اجمل ٹاؤن بائی پاس روڈ، گوجرانوالہ

۲- عبدالرحمٰن پراپرٹی ڈیلر گلی شیخاں والی، کھنڈ بازار، گوجرانوالہ

۳- محمد اشرف، محمد رفیق فون ۴۰،۲۶۹۳ - شیخ عبدالمجید فون ۴۲۸۷۸

ٹیلی فون نمبر ۶۷۵۴۵ | خدام الدین | رجسٹرڈ ایل نمبر ۷۲ ۶۰

میقات الصیام

برائے شہر لاہور و مضافات

مطابق سٹینڈرڈ ٹائم پاکستان

رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ ——— ۱۹۸۰ء

رمضان المبارک

ایام	تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	اختتام سحری منٹ	اختتام سحری گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
پیر	یکم رمضان	۱۴ جولائی	۳۱	۳	۱۱	۷
منگل	۲ ″	۱۵ ″	۳۱	۳	۱۰	۷
بدھ	۳ ″	۱۶ ″	۳۲	۳	۹	۷
جمعرات	۴ ″	۱۷ ″	۳۳	۳	۹	۷
جمعہ	۵ ″	۱۸ ″	۳۴	۳	۹	۷
ہفتہ	۶ ″	۱۹ ″	۳۵	۳	۸	۷
اتوار	۷ ″	۲۰ ″	۳۵	۳	۸	۷
پیر	۸ ″	۲۱ ″	۳۶	۳	۷	۷
منگل	۹ ″	۲۲ ″	۳۷	۳	۷	۷
بدھ	۱۰ ″	۲۳ ″	۳۸	۳	۷	۷
جمعرات	۱۱ ″	۲۴	۳۹	۳	۶	۷
جمعہ	۱۲ ″	۲۵ ″	۴۰	۳	۶	۷
ہفتہ	۱۳ ″	۲۶ ″	۴۱	۳	۵	۷
اتوار	۱۴ ″	۲۷ ″	۴۲	۳	۴	۷
پیر	۱۵ ″	۲۸ ″	۴۳	۳	۳	۷
منگل	۱۶ ″	۲۹ ″	۴۴	۳	۳	۷
بدھ	۱۷ ″	۳۰ ″	۴۴	۳	۲	۷
جمعرات	۱۸ ″	۳۱ ″	۴۵	۳	۱	۷
جمعہ	۱۹ ″	یکم اگست	۴۶	۳	۱	۷
ہفتہ	۲۰ ″	۲ ″	۴۷	۳	۰۰	۷
اتوار	۲۱ ″	۳ ″	۴۸	۳	۵۹	۶
پیر	۲۲ ″	۴ ″	۴۹	۳	۵۸	۶
منگل	۲۳ ″	۵ ″	۵۰	۳	۵۷	۶
بدھ	۲۴ ″	۶ ″	۵۱	۳	۵۷	۶
جمعرات	۲۵ ″	۷ ″	۵۲	۳	۵۶	۶
جمعہ	۲۶ ″	۸ ″	۵۳	۳	۵۶	۶
ہفتہ	۲۷ ″	۹ ″	۵۴	۳	۵۵	۶
اتوار	۲۸ ″	۱۰ ″	۵۵	۳	۵۴	۶
پیر	۲۹ ″	۱۱ ″	۵۶	۳	۵۳	۶
منگل	۳۰ ″	۱۲ ″	۵۷	۳	۵۲	۶

شوال کے روزے

ایام	تاریخ ہجری	تاریخ عیسوی	اختتام سحری منٹ	اختتام سحری گھنٹہ	افطاری منٹ	افطاری گھنٹہ
بدھ	یکم شوال	۱۳ اگست	عید الفطر			
جمعرات	۲ ″	۱۴ ″	۵۸	۳	۵۰	۶
جمعہ	۳ ″	۱۵ ″	۵۹	۳	۴۹	۶
ہفتہ	۴ ″	۱۶ ″	۰۰	۴	۴۸	۶
اتوار	۵ ″	۱۷ ″	۱	۴	۴۷	۶
پیر	۶ ″	۱۸ ″	۲	۴	۴۶	۶
منگل	۷ ″	۱۹ ″	۲	۴	۴۵	۶

لاہور سے دوسرے شہروں کا فرق

شہر	منٹ		شہر	منٹ	
راولپنڈی	۶	منٹ بعد	ساہیوال	۶	منٹ بعد
ڈیرہ غازیخاں	۱۵	″ ″	مظفر گڑھ	۱۲	″ ″
سیالکوٹ	۳	″ ″	میانوالی	۱۰	″ ″
گوجرانوالہ	۲	″ ″	بہاولپور	۱۴	″ ″
گجرات	۱	″ ″	کراچی	۲۷	″ ″
لائلپور	۱۵	″ ″	کوئٹہ	۲۸	″ ″
سرگودھا	۶	″ ″	ڈیرہ اسمٰعیل خان	۱۵	″ ″
کیمبل پور	۱۵	″ ″	پشاور	۱۳	″ ″
ملتان	۱۱	″ ″	لاڑکانہ	۲۴	″ ″

مرتب کردہ: غلام قادر اظہر ریٹائرڈ ہیڈ ڈرافٹسمین پی، ڈبلیو، آر
اتوار ۸ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ، ۲۲ جون ۱۹۸۰ء